شہر خموشاں اور دیگر افسانے

مصنف موپاساں

ترجمہ میاں اصیر جیلانی

دانش بک ڈپو، اسمبلی روڈ - پٹنہ

# شہرِ خموشاں

اور

## دیگر افسانے

مصنف

موپاساں

مترجمہ

سبیلہ نصیر حیدر



شاد بک ڈپو مہندرو پٹنہ

قیمت عہ

# عرضِ ناشر

فرانس کا زندۂ جاوید افسانہ نگار موپاساں یہی نہیں کہ اپنے عہد کا اور اپنے ملک کا بڑا افسانہ نگار تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ افسانوی ادب کی تاریخ میں اس کا مقام بہت بلند ہے۔ اس کے افسانوں میں زندگی کی جو بے نقاب حقیقتیں نظر آتی ہیں۔ وہ بہت کم افسانہ نگاروں میں ہیں۔ اُسے معمولی سے معمولی واقعات کے تانے بانے سے ایک شاندار افسانے کو اختتام تک پہنچانے میں کمال حاصل تھا۔ اور وہ بھی اس طرح کہ افسانہ نہ تو اپنا اثر ضائع کرے۔ اور نہ اس میں کہیں فنی یا اور کوئی کمزوری نظر آئے۔

یہ ضرور ہے کہ موپاساں کے فن سے کسی مبصر کو اختلاف ہو۔ اس کے زاویۂ نظر سے اختلاف ہو۔ کسی کو اس میں انقلاب کی چنگاریاں نظر نہ آئیں۔ لیکن اس حقیقت کو جھٹلانے کی جرأت کسی اہلِ نظر میں نہیں ہو سکتی کہ وہ بہت بڑا فن کار تھا۔ اور اس نے فن افسانہ نویسی کو غیر معمولی طور پر متاثر کیا ہے۔

موپاساں جس عہد کی پیداوار تھا۔ اور جس عہد کو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور جن حالات میں اس نے زندگی گزاری اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ وہ اسی قسم کے افسانے لکھتا۔ لیکن پھر بھی یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اس کے افسانوں میں زندگی کی کتنی سچی تصویریں ہیں۔ اور اس نے گہرے نفسیاتی مسئلوں کو کس [illegible] اور خوبصورتی کے ساتھ بے نقاب کیا ہے۔ نازک نفسیاتی گتھیوں

کو اس نے کتنی آسانی اور سادگی کے ساتھ سلجھایا کہ اُن کو سلجھانے کے لئے متعدد جلدوں کی ضرورت پڑتی۔

موپاساں سے پہلے افسانوں میں خارجی زندگی کے اثرات زیادہ نمایاں تھے۔ لیکن موپاساں نے اپنے کرداروں کے خارجی حالات کے ساتھ ساتھ اپنے اُن کے دلوں کا حال بیان کیا ہے۔ اور اُن تمام حالات کی مصوری کی ہے۔ جن میں مختلف خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ جن میں مختلف تحریکیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور ایک ہی انسان مختلف حالتوں میں کیسا کیسا کرتا ہے۔

موپاساں کا پورا نام گائی دے موپاساں ہے۔ وہ ۱۸۵۰ء فرانس کے شہر نارمنڈی میں پیدا ہوا۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد اس نے فوج میں ملازمت کی۔ اور جنگی وزارت کے دفتر میں کام کرتا رہا۔ اس کے بعد اس نے مستقلاً ادبی زندگی اختیار کر لی۔ اور بے حد کامیاب رہا۔ اس کے عہد کے دوسرے ادیبوں کو نہ تو وہ مقبولیت حاصل ہوئی اور نہ کسی نے اپنے افسانوں کی اتنی اجرت وصول کی۔

زولا اس کا محبوب مصنف تھا، بلکہ موپاساں اسے اپنا استاد مانتا تھا۔ اور زولا نے بھی موپاساں کے ادبی کردار کو بنانے میں غیر معمولی دلچسپی لی۔ شروع میں اس کی ساری تحریروں کو پڑھتا تھا۔ اس کی کمزوریوں کو بتاتا تھا۔ اور اسے ہدایتیں دیتا تھا۔ اور اس معاملے میں وہ اتنا سخت گیر تھا۔ کہ جب تک اُسے تشفی نہ ہوتی اُس نے موپاساں کی کوئی چیز شائع نہیں ہونے دی۔

موپاساں کی آخری زندگی عجیب سی گزری۔ اور وہ پاگلوں کے ہسپتال میں جاکر مرا۔

ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ اسے ایسی بیماری صرف اس لیے ہو گئی کہ اس نے دماغ سے بہت زیادہ کام لیا۔

موپاساں کے کم و بیش تین سو افسانے، چھ ضخیم ناول، چار ڈرامے اور سفرنامے لکھے ہیں۔ اور ان میں

تنوع اتنا زیادہ ہے کہ کسی دوسرے مصنف میں نہیں ملتا۔

اس کے یہاں زندگی کے اس پہلو کی عکاسی زیادہ ہے، جسے ہم تعیش یا عریانی سے منسوب کر سکتے ہیں۔

لیکن اس کی ذمہ داری موپاساں سے زیادہ فرانس کی اس وقت کی سوسائٹی پر ہے۔ اس نے جو کچھ دیکھا

تھا۔ اس کی عکاسی کر دی تھی۔ اور باریک بین نظروں میں یہی چیز اسے حقیقت پسند بنا کر پیش کرتی ہے۔

موپاساں کے چند افسانوں کا ترجمہ سید نصیر حیدر صاحب نے کیا ہے۔ ترجمہ جیسا ہے اس کے متعلق

ہمیں کچھ کہنا نہیں۔ ملکہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ موصوف سرکاری ملازمت میں رہے۔ ایک ممتاز عہدے

کو سنبھالنے کے باوجود اپنے ادبی ذوق کو کس طرح باقی رکھ سکے۔ دن بھر مقدموں کی روداد سننے اور

فیصلے لکھنے میں اور ادبی ذوق میں دور کی بھی مناسبت نہیں۔ لیکن موصوف نے یہ کر دکھایا کہ یہ

بھی ممکن ہے۔

سید نصیر حیدر صاحب کا اس سے پہلے بھی موپاساں کے افسانوں کا ایک مجموعہ اردو بک اسٹال

لاہور سے دوبار شایع ہو کر مقبول عام ہو چکا ہے اور اب یہ دوسرا مجموعہ شہر خموشاں کے نام سے شاد بکڈپو

سے شایع ہو رہا ہے انھیں اس مصنف سے خاص دل چسپی ہے۔ انھوں نے موپاساں کا ایک ناول

کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ جو بہت جلد ہی شایع ہونے والا ہے۔ اب سید صاحب موصوف ملازمت کا

زمانہ ختم کر کے مستقل ادبی زندگی اختیار کر چکے ہیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ وہ بہت جلد ہی

بعض نادر شاہکار پیش کریں گے۔

السید ظہیر احمد

# اک انوکھا خاندان

میں نے اپنے جگری دوست ، سائمن ریڈورن کی صورت کوئی پندرہ برس سے نہیں دیکھی تھی ، اس سے ملنے کی خوشی میں میرے جذبات مسرت بے کنار رکھتے اسکی معیت میں میں نے اکثر لمبی خاموشی اور نشاط آمیز شامیں گذاری تھیں۔ اس کا شمار ان چند ہستیوں میں تھا جس سے انسان اپنے دل کی مخفی ترین کیفیتوں کو بیان کر سکتا ہے ، اطمینان کی گفت گو کے وقت اس کی ہر بات میں غیر معمولی لطیف تازہ ، صاف ستھرے ، خیالات کا مظاہرہ ہوتا جس سے دماغ کو اشتعال اور قلب کو سکون حاصل ہوتا۔

برسوں ہم دونوں میں چولی دامن کا ساتھ رہا ، ہم اکٹھا رہتے ، اکٹھا سفر کرتے

ایک ہی خیال میں غرق رہتے اور ایک ہی خواب دیکھا کرتے، ہم میں کچھ ایسی یکتائی تھی کہ ہماری پسند تک ایک ہی ہوتی، ایک ہی کتاب کے ہم شائق رہتے، ایک ہی فلسفہ سے متاثر ہوتے اور ایک ہی قسم کے جذبات سے سرشار ہوتے، ہم ایک دوسرے کے اشاروں کو بھی بلا تکلف سمجھ لیتے ہماری حسِ ظرافت میں بھی بس ایک ہی عنصر کارفرما تھا۔

آخر کار ایک غیر متوقع بات وقوع میں آگئی۔ یعنی اس نے شادی کر لی۔

اک قصباتی لڑکی سے جو بیس میں شوہر کی تلاش میں نکلی تھی، شادی کر لی، یہ اک ننھی منی سی، دبلی پتلی، گوری چٹی کمزور سی لڑکی تھی، اس کی آنکھوں میں نور تھا، لیکن تڑپ نہ تھی، اس کی آواز میں صفائی تھی لیکن اس سے سادہ لوحی ٹپکتی تھی وہ ان لاکھوں قابل شادی گڑیوں میں اک گڑیا تھی اور بس تعجب ہے کہ کیوں کہ اس نے اک نہایت ہی ذہین، ہشیار نوجوان پر چھاپا مارا یہ معمہ سمجھ سے باہر ہے، بیشک اطمینان بخش اور دیرپا مسرت کے خیال میں، جو اک نیک دل، نازک اور وفادار عورت کی آغوش میں حاصل ہو سکتی ہے۔ اس نے ایسا کیا غالبًا میرے دوست نے اس شفاف نظروں والی اسکولی لڑکی میں یہ سب کچھ معائنہ کیا اور اس کے دل آویز زلف کے دام محبت میں گرفتار ہو گیا۔

اس نے اپنی رندانہ زندگی میں بہت سی وقتی دلچسپیاں حاصل کی تھیں۔

اس لئے یہ اعتماد کرنا ناممکن تھا کہ ایسا نیز زندہ دل اور طرح دار شخص جس کی شخصیت

نمایاں تھی، ایک ایسی سادہ اور غیر رومانی عورت کا گرویدہ ہو جائے گا۔ جواب اس

کی بیوی بن گئی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ وہ اس معمولی عورت سے بہت جلد سیر ہو جائیگا

میں یہ سوچ رہا تھا کہ تجدید ملاقات پر اس کا کیا رنگ ہو گا۔ کیا وہ پہلے جیسا،

زندہ دل، ظریف، خوش مزاج اور جوشیلا ہو گا، یا قصباتی زندگی کے سرد ماحول میں دماغی

بے حسی کا نمونہ ہو گا، بارہ برس کی دراز مدت میں ایک اچھا بھلا انسان بہت کچھ بدل

جا سکتا ہے۔

گاڑی ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر ٹھہری۔ جوں ہی میں ڈبے سے باہر نکلا، اک

موٹا تازہ مضبوط آدمی جس کے گال سرخ اور پیٹ کافی بڑا تھا۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر "جارج

جارج" کہتا ہوا میری جانب دوڑا۔

پہلے تو میں نے اُسے پہچانا نہیں، پھر پہچان کر اس کے گلے سے لپٹ گیا، اور

تعجب کے لہجے میں بولا۔

خدا کی پناہ، بھئی تم تو اب خاصے دبلے پتلے ہو

اس نے ہنس کر کہا۔

آخر تم چاہتے کیا ہو تم ہمیشہ کے خشک مزاج رہ گئے، کیا تمہارا خیال ہے

کہ ہر شادی شدہ مرد کو محنت کے بُرے نتائج کے تحت میں دبلا ہو جانا چاہئے، سنو

اچھی زندگی اچھی غذا، اچھی آرام وہ رہائش کیا کچھ نہیں کر سکتی۔ مجھے اب کسی بات کی فکر

نہیں، کھانا اور سونا ہی میری زندگی ہے۔

میں نے اُسے غور سے دیکھا، اس کے کشادہ چہرے میں، میں ان کیفیتوں کو ڈھونڈ
لگا جو مجھے بہت مرعوب بخشیں، صرف اس کی آنکھوں میں کوئی نمایاں فرق نہ آیا تھا، لیکن
پھر بھی اُن میں وہ اگلی سی تیز نظری نہ تھی، میں دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ اگر چہرے
بشرے سے انسانی خیالات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے تو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں
کہ جن خیالات سے میں اچھی طرح واقف تھا وہ اب اس دماغ کے اندر رسائی کی طرح
موج زن نہیں ہیں۔

تاہم اُن آنکھوں میں چمک تھی، جس میں محبت اور مسرت کی ضیا روشن تھی لیکن
ان میں وہ واضح اور تیز ذہانت کا جلوہ نہ تھا جو دماغ کے اندرونی جذبات کو ابھار کر رکھ
دینے میں ٹھیک اسی طرح جس طرح الفاظ معانی کو بتاتے ہیں۔

یک بہ یک اس نے مجھ سے کہا، یہ ہیں ہماری دو بڑی اولادیں۔
ایک چودہ برس کی لڑکی جواب قریب قریب عورت تھی، اور ایک تیرہ برس کا لڑکا
اسکولی لڑکوں کا لباس پہنے ہوئے دونوں ہچکچاتے ہوئے بھونڈے طور پر آگے بڑھے میں
نے آہستہ سے پوچھا

یہ تمہارے بچے ہیں۔

ہاں ہاں میرے ہیں اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

کتنے ہیں۔

پانچ، تین گھر پر ہیں،

اس نے یہ اظہار نہایت ہی مغرورانہ فتح مندانہ اور خود ارانہ انداز میں کیا، مجھے اک شدید نفرت آمیز افسوس اس احمق، بچے پیدا کرنے والی ہستی پر ہوا۔ غالباً اس نے اپنی ساری راتیں عیش و مسرت کی راتیں، محض اس فکر میں گذار دیں۔

میں ایک گاڑی میں سوار ہوا جسے وہ خود ہانک رہا تھا، ہمارا گزر اک ایسے سنسان خاموش اور تاریک شہر سے ہوا جہاں سوا چند کتوں اور دو چار ماماؤں کے اور کوئی چیز چلتی پھرتی نظر نہ آئی، کہیں کہیں دوکاندار اپنے دروازوں پر کھڑے ہو کر اسے سلام کر لیا کرتے، سائمن ان کے سلام کا جواب دیتے ہوئے اُن کا نام مجھے بتاتا، وہ ہر دلعزیز معلوم ہوا، مگا میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ کہیں وہ پارلیمنٹ کی نشست کا امیدوار تو نہیں کیونکہ یہ خواب قصبوں کے تمام باشندے دیکھا کرتے ہیں۔

ہم جلد ہی شہر سے باہر نکل گئے، گاڑی ایک باغ میں مڑی جس میں پارک کا سا انداز جھلکتا تھا اور ایک اونچے مکان کے سامنے رکی، جو قلعہ سے مشابہ تھا۔

یہ ہے ہمارا غریب خانہ، سائمن نے کہا اسے امید تھی کہ میں اس کے مکان کی تعریف ضرور کروں گا میں نے فوراً کہا بہت ہی خوب صورت مکان ہے۔

ایک عورت، اچھے لباس پہنے اور بال سنوارے میرے خیر مقدم کے لئے سیڑھیوں پر کھڑی نظر آئی۔ آؤ بھگت کے بنے تلے الفاظ اس کے ہونٹوں پر ناچ رہے تھے اب وہ سابق جیسی ہلکی پھلکی نحیف عورت نہ تھی جسے میں نے پندرہ برس قبل دیکھا تھا بلکہ اب وہ اک جسیم شحیم عورت تھی جس کے بال گھونگھر یالے اور گون گھیر دار تھی، وہ اب اک ایسی عورت تھی جس کی

عمر اور ذہانت کا اندازہ مشکل تھا، اس بی لسائیٹ کے ضروری ارکان مفقود تھے اخلاقہ یہ کہ وہ بچہ جننے اور پرورش کرنے والی، گوشت و پوست کی ایک ہستی تھی اور بلا سوچے سمجھے اپنی ذریت میں اضافہ کر رہی تھی۔ خانہ داری کے حسابوں کے سوا اس کی دماغی جد و جہد مفقود تھی،

اس نے میرا خاطر خواہ استقبال کیا اور مجھے گول کمرے میں لے گئی۔ وہاں اس کے باقی تین بچے یکے بادیگرے عمر کے لحاظ سے معائنہ کے لئے کھڑے تھے، ٹھیک اسی طرح، جس طرح شہر کے میئر کے سامنے منتالچی کھڑے رہتے ہیں۔ میں انھیں دیکھ کر بول اٹھا۔

آخاہ! یہ ہیں اور دوسرے بچے۔

سائمن نے مغرورانہ مسرت سے ان کے نام گنوائے، جینی، صوفیہ، گونتران

گول کمرے کا دروازہ کھلا تھا، ہم اندر گئے، وہاں میں نے آرام کرسی کی گہرائی میں اک کانپتی ہوئی شے دیکھی

یہ اک ضعیف فالج زدہ انسان تھا۔

مادام ریڈون آگے بڑھی اور بولی،

یہ ہمارے دادا جان ہیں، ان کی عمر چھیاسی سال کی ہے۔

پھر اس نے کانپتے ہوئے بڈھے کے کان میں چیخ کر کہا،

یہ سائمن کے دوست ہیں دادا جان۔

بڈھے نے مجھے سلام کرنا چاہا، لیکن اس کے منہ سے محض غو، غو کی صدا نکلی اس نے مجھے ہاتھ سے اشارہ کیا، اور میں اس کے پاس ایک کرسی پر بیٹھ گیا، اور بولا۔

آپ کی عنایتوں کا شکریہ، جناب،

اب سائمن آگیا، اور ہنس کر بولا،

خوب تم نے دادا جان سے تعارف کر لیا، ان میں محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہے بچے ان پر جان دیتے ہیں۔ لیکن حد درجہ حریص واقع ہوئے ہیں، کھانے پر جان دیئے رہتے ہیں۔ مٹھائیوں پر گرے پڑتے ہیں، اگر انہیں چھوڑ دیا جائے تو کیا کچھ نہ بھکوس لیں۔ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، تم خود ہی دیکھ لو گے، یہ میٹھے پھلوں کے سموسوں پر اس طرح جان دیتے ہیں گویا وہ حسین لڑکیاں ہیں، تم نے ایسا حریصانہ منظر نہ دیکھا ہوگا، اخیر، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔

میں اپنے کمرے میں پہونچایا گیا، اور طعام شب کے لئے کپڑے بدلنے لگا تا لگتا عقب کی سیڑھیوں پر مجھے کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دی، میں نے گھوم کر دیکھا تو سائمن کے تمام بچے اس کے پیچھے پیچھے چلے آرہے ہیں۔۔۔ یقیناً میری عزت افزائی کا خیال مدنظر تھا،

میرے کمرے کی کھڑکی، ایک وسیع میدان کی جانب کھلتی تھی، میدان میں سبزہ، گیہوں، جئی، کا سمندر لہرا رہا تھا، وہاں نہ تو کوئی درخت تھا، نہ جھاڑیاں تھیں اور نہ شاداب نباتات کا کوئی ٹکڑا کہ نظروں کو سکون ہو، اس گھر کے باشندوں کی محفوظ،

زندگی اور امتیازی طرز رہائش کا اندازہ ایک ایسی واقعہ سے ہو سکتا ہے۔
ڈنر کی گھنٹی بجی ہم نیچے اتر آیا۔ مادام ریڈون نے رسمی اخلاق سے میرے بازوں کا سہارا لیا اور ہم کھانے کے کمرے میں داخل ہوئے، ایک ملازم نے بڈھے کی کرسی کو کھسکا کر وہاں پہونچایا، بڈھے نے اپنی للچائی نظر حیرت خیز انداز سے چنے ہوئے کھانوں پر ڈالی، اور پھر بدقت تمام اپنے کانپتے ہوئے سر کو ادھر ادھر گھماکر تمام کھانوں کا جائزہ لیا۔
سائمن نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ملتے ہوئے مجھ سے کہا "اب تم کو مزا آجائیگا"۔
سب لڑکے اس بات کی تہ کو پہونچ گئے، ان کو پتہ چل گیا، کہ مجھے ان کے حریق جدامجد کی طمع کے تماشے دکھائے جائیں گے، وہ لگے زور زور سے ہنسنے، ان کی ماں محض شانے پھڑکا کر مسکرا رہی تھی، سائمن نے تالی بجاکر بڈھے کو اپنی جانب متوجہ کیا اور چیخ کر بولا۔
آج کھیر بکی ہے۔
بڈھے کا جھریوں سے بھرا ہوا چہرہ دمک گیا اور اس کا ارتعاش بڑھ گیا،
وہ اس کے مفہوم کو سمجھ کر خوش تھا۔
کھانا شروع ہوا۔
سائمن نے کہا، اب تماشا دیکھو،
بڈھے کو شوربہ مرغوب نہ تھا، لیکن تندرستی کے خیال سے شوربہ اسے زبردستی

پلایا جاتا، خدمت گار نے شوربے کا چمچہ زبردستی اس کے منہ میں ٹھونس دیا، لیکن بڈھے نے بھی ایک پھونک ماری، کہ شوربہ اس کے حلق سے نہ اترے، نتیجہ یہ ہوا کہ شوربہ فوارے کے پانی کی طرح، ساری میز اور وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں پر جا پڑا۔ لڑکے اس منظر پر خوشی سے دیوانے ہو گئے، ان کا باپ بھی محظوظ ہوتا ہوا بولا۔

کیوں، یہ منظر کیسا مضحک ہے۔

میز کی ہماہمی بڈھے کے ہاتھ رہی، وہ چنے ہوئے کھانوں کو اپنی آنکھوں سے نگل رہا تھا، کھانے کے ظروف کو کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اپنی جانب کھینچنا چاہتا تھا، اسے دق کرنے اور اس کی بے سود کوشش کا تماشا دیکھنے کی غرض سے برتن اس کے نزدیک بڑھا دیئے جاتے، اور وہ مرتعش ہاتھوں سے انھیں کھینچنے کی کوشش کرتا اس کی تمام فطرت اور اس کے تمام احساس ظاہری اس سعی لاحاصل میں جذب ہو جاتے اس جد و جہد میں اس کے موہنہ کی رال رومال پر ٹپکی پڑتی تھی اس کے دہن سے نامفہوم آوازیں اور غرغراہٹ نکل رہی تھی، سارا خاندان اس خوفناک مضحک منظر میں کافی مزا پا رہا تھا۔

بڈھے کی ناکامیاب کوشش کے بعد ایک لقمہ اس کی رکابی میں رکھ دیا گیا۔ وہ اسے بھوکوں کی طرح فوراً کھا گیا تاکہ پھر کچھ اور جلدی مل جائے۔ جس وقت کھیر آئی تو اس پر دورہ کی سی کیفیت چھا گئی، اور وہ کراہنے لگا، سائمن کی بچی نے پکار کر کہا۔

تم نے بہت سا کھا لیا۔ اب کچھ نہ ملے گا۔

گو یہ محض بہانہ تھا لیکن بڈھا زور زور سے کانپنے اور رونے لگا، لڑکوں نے قہقہہ لگانا شروع کیا، آخر کار اُسے ایک لقمہ چھوٹا سا ملا۔

جب وہ اس کو نگلنے لگا تو اس کے حلق سے ایک مضحک، عجیب سا نہ آواز پیدا ہوئی، اس کی گردن ٹھیک اسی طرح جنبش میں تھی جیسی اس بط کی ہوتی ہے جو اپنے حلق کے انداز سے بڑا لقمہ نگل جاتی ہے۔۔۔ جب پلیٹ ہٹالی گئی تو وہ اپنے پاؤں زمین پر ٹپکنے لگا تاکہ کچھ اور مل جائے۔

اُس بچارے غریب بڈھے کی حالت پر مجھے رحم آگیا اور میں نے اس کی پیچ کرتے ہوئے کہا،

مہربانی کرکے کچھ تھوڑی سی کھیر انھیں اور دیدو،

سائمن فوراً بول اٹھا۔

نہیں دوست، زیادہ کھانا، خصوصاً اس سن میں ان کے لئے مضر ہے۔

بڈھے کی صحت کے خیال نے اُسے اس واحد لذت سے محروم رکھا جس پر اس کی زندگی کا انحصار تھا، وہ لوگ اپنے خیال میں اس کی جان کی حفاظت کر رہے تھے، اس سے بڑی حماقت اور کیا ہو سکتی تھی، وہ ایک پھڑکتے ہوئے مضغہ گوشت سے مشابہ تھا اور زندگی کے دن پورے کر رہا تھا۔ ایسی حیات آخر کب تک، دس بیس، پچاس، سو دن، اسے کوئی عمر نوح تو ملنے والی نہ تھی، بس ان چند دنوں

کیلئے اس کی خواہش اس کی حریص کوششیں ٹھکرائی جا رہی تھیں، اس پر طرّہ یہ اس کی ان حرکتوں پر تمسخر کیا جاتا۔ اگر یہ چند دن اس سے رحم، مہربانی اور محبت کا سلوک کیا جاتا تو کوئی قیامت بر پا نہ ہو جاتی، اسے زندگی میں اب کرنا ہی کیا تھا کچھ بھی نہیں، تو پھر کیوں نہ جی بھر کر اپنی خواہش پوری کر لینے کا اسے موقع دیا جائے افسوس ہے اس نظریہ اخلاق پر، صحت کا خیال توبہ، توبہ،

. . . . . . . . . . . . . . . .

کھانے کے بعد میں دیر تک تاش کھیلتا رہا، پھر اپنے کمرے میں جا کر پلنگ پر پڑ رہا میں بہت نڈھال اور غمگین تھا، حد سے زیادہ غمگین۔ ایسا صدمہ اور ملال مجھے اپنی زندگی میں کبھی نہ ہوا تھا.... میں دیر تک کھڑکی کے پاس بیٹھا رہا، وہاں مجھے بلبلوں کی خوش الحان صدا کے سوا اور کچھ سنائی نہیں دیتا تھا، یقیناً یہ بلبلیں، رات کے سناٹے میں دھیمے سروں میں اس لیے گا رہی تھیں تا کہ ان کا جوڑا جو انڈوں پر بیٹھا ہوا تھا، گہری نیند سو رہے۔

میں اپنے قدیم دوست کی موجودہ زندگی کا جائزہ لے رہا تھا، اس کے متفرد و خود غرض بچوں کے متعلق سوچ رہا تھا اور ان کی تصویر اپنے خیال میں اُتار رہا تھا، میں اس کی، سادہ لوح اور رو پھاتی بیوی کا خیال کر کے سخت نادم تھا، جس کے پہلو میں وہ اس وقت خراٹے لے رہا تھا، آہ

سائمن کی رومانی زندگی کا خاتمہ ہو گیا تھا،

# راج محل

امیر البحر، دی لاوائی اپنی کرسی پر نیم خوابیدہ انداز سے پڑا ہوا، ایک بڑھی عورت کے لب و لہجے سے ملتی جلتی آواز میں یوں گویا ہوا۔

مجھے ایک مرتبہ خصوصیت کے ساتھ اک نرالا تجربہ محبت کا ہوا، کیا آپ حضرات اُسے سننا چاہتے ہیں۔

یہ باتیں وہ اپنی عمیق کرسی کی گہرائی سے بول رہا تھا، اس کے لبوں پر اک خشک اور شکن آلود تبسم لہرا رہا تھا، اس کا تبسم والٹیر (ایک زندیق) کے تبسم سے اس قدر مشابہ تھا کہ لوگ امیر البحر کو دہریہ تصور کرنے لگے تھے۔

اس نے اپنی کہانی یوں شروع کی۔

کوئی تیس سال کی عمر میں میں بحری فوج کا اک ہونہار سردار تھا۔ انہیں دنوں وسط ہند میں علم نجوم سے متعلق مجھے ایک خدمت تفویض ہوئی، انگریزی حکومت نے مجھے کل ضروری سامان بہم پہنچا دئے۔ اور میں اپنے چند مددگاروں کے ساتھ اس غیر مانوس، عجیب

اور عظیم الشان ملک میں سرگرم کار ہو گیا۔

اس عجیب سفر کی داستان بیان کرنے کے لئے دفتر درکار ہیں۔ میں حیرت خیز عالی شان مقاموں کی سیر کرتا رہا، میرا خیر مقدم اور میری آؤ بھگت پری جمال... شاہزادوں نے نہایت شان و شوکت سے کی، دو مہینہ تک مجھے بس یہ محسوس ہوتا رہا کہ میں دنیائے شعر میں خیالی ہاتھی پر سوار طے "منازل کر رہا ہوں۔ صحراؤں میں میں نے غیر معمولی مناو بد دیکھے جو تراشے ہوئے جواہرات کی طرح نازک اور مخملیں ہلیوں الیس کے مانند نفیس تھے، ان میں کچھ ایسے محیر العقول اور ملکوتی تھے کہ گویا کوہ مرمرین "معلوم ہوتے تھے، اور کچھ اتنے نازک اور حسین کہ ان کی ساخت پر انسان ٹھیک اسی طرح عاشق ہو جاتا تھا جس طرح اک حسینہ پر ہوتا ہے۔ میں اک جسمانی اور شہوانی خوشی ان کے نظارے میں محسوس کرتا، گویا میں وکٹر ہیوگو کی طرح حالت بیداری میں عالم خواب کی سیر کر رہا تھا۔

سفر کے اختتام پر میں گاں ہارڈ ہیو پہنچا زمانہ ماقبل میں وسط ہند کا یہ اک نہایت ہی آباد اور زرخیز خطہ تھا، لیکن اس وقت اتنا سرسبز و شاداب نہ تھا۔ اس ملک کا حکمراں اک امیر، خود سر، مغلوب الغیض، فیاض اور ظالم راجہ تھا اس کا نام راجہ مدن تھا، وہ مشرقی والئی ملک کا سچا نمونہ تھا، نزاکت اور وحشت، خلق اور اطمینان، نسوانی دل ربائی اور جابرانہ استبداد سے اس کی فطرت ممزوج تھی۔

یہ شہر اک چھوٹی خلیج کے کنارے دامن کوہ میں آباد تھا۔ جس کے چاروں طرف

مخروطی منار آباد تھے،
آبِ خلیج منادر کی دیواروں کو غسل دے رہا تھا۔ دور سے یہ شہر اک چھوٹا سا سفید
ابر کا ٹکڑا معلوم ہوتا، جوں جوں قربت ہوتی جاتی وہ بڑا دکھائی دیتا تا آں کہ اس کے
گنبد اور میناروں کے کلس کے ساتھ ساتھ تمام وہ نازک اور حسین برجیاں جو ہندستانی
صنادید کی روح رواں ہیں صاف نظر آنے لگیں۔

شہر کے پھاٹک سے ایک گھنٹہ کی راہ پر، زرکار ساز و سامان سے لدا ہوا
اک ہاتھی جس پہ مرصع جھول پڑا ہوا تھا، اک فوجی رسالے کے جلو میں جسے راجہ نے میرے
خیر مقدم کے لئے روانہ کیا تھا جھومتا نظر آیا۔ میں نہایت تزک اور احتشام سے محل میں
پہونچایا گیا۔

میں چاہتا تھا کہ کچھ دیر ٹھہر کر اپنا زرق برق درباری لباس زیب بدن کر لوں
لیکن شاہی بے صبری نے اس کی اجازت نہ دی راجہ میری ملاقات اور میرا مقصد سفر
دریافت کرنے کے لئے بے چین تھا۔

میں گیلریوں سے محیط اک بہت بڑے کمرے میں پہونچایا گیا۔ وسط میں گندم گوں
سپاہی جاذب نظر وردیوں میں سجے سجائے مرمریں مجسموں کی طرح کھڑے تھے، چہار
جانب معزز درباری جواہرات میں ٹکے ہوئے لباس زیب تن کئے کرسی نشیں تھے۔

پھر میں نے اک بقعہ نور دیکھا گویا اک روشن آفتاب تخت پر ضو فشاں تھا، وہ کروڑ
خود راجہ تھا، جو حسین احمریں لباس میں مزین ساکت اور غیر متحرک میرا منتظر تھا، کروڑ ڈیڑھ

فرانک کے ہیرے اس کے جسم پر جگمگا رہے تھے، اور پیشانی پر اک بڑا سا الماس، دلی کا مشہور ستارہ نمایاں طور پر درخشاں تھا، یہ ہیرا امنڈ ڈر کے مشہور ہیری ہاریوں سے راجہ کو آرٹ میں ملا تھا، ہمارا میزبان، اسی خاندان کا ایک رکن تھا،

راجہ کی عمر کوئی پچیس سال کی تھی وہ اک پاکیزہ ترین ہندو خاندان کا رکن تھا، تاہم اس کی صورت سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اس کی رگوں میں حبشی کا خون ملا ہوا ہے۔ اس کی آنکھیں موٹی موٹی اور گویا غیر متحرک تھیں، ہونٹ بھدے داڑھی گھنی اور کھچڑی بالی اور پیشانی کوتاہ تھی، دانت سفید براق اور تیز تھے، وہ غیر ارادی طور پر مسکرایا، کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا اور مجھ سے ہاتھ ملایا اس نے مجھے اپنی بغل میں اک ایسے اونچے تخت پر بٹھالیا کہ میرے پاؤں مشکل سے زمین تک پہونچ سکتے تھے، یہ نشست میرے لئے نہایت ہی غیر آرام دہ تھی۔

اس نے فوراً ہی دوسرے دن کے لئے شیر کے شکار کی تجویز کی، جنگ اور شکار اس کی خاص دلچسپیاں تھیں، کسی اور شغل کی تمنا کوئی کیوں کر کر سکتا ہے، یہ بات اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ اسے یقین تھا کہ میں نے اتنا بڑا سخت اور صعب سفر محض اس کی خوشنودی اور ہمنوائی کیلئے طے کیا تھا۔

چوں کہ مجھے اس کی امداد کی سخت ضرورت تھی، میں نے اس کے مذاق طبعیت کی داد دی، پھر کیا تھا وہ اس قدر خوش ہوا کہ اس نے فوراً مجھ سے اپنے سکھائے ہوئے پہلوانوں کی جنگ دکھلانے کی خواہش کی اور مجھے محل کے اندر اک اکھاڑے میں لے گیا۔

حکم پاتے ہی دو ننگ دھڑنگ پہلوان جن کے ہاتھوں میں لوہے کے کانٹے
پہنے تھے اکھاڑے میں آ گئے اور فوراً ہی ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔ ضرب پر
ضرب پڑنے لگی اور تیز کانٹوں کی نوکیں جسم میں چبھنے لگیں، ان کے تمام جسم لہولہان
ہو گئے اور سیاہ جسم سے سرخ خون کی دھاریں بہہ نکلیں۔
یہ حرکت دیر تک قائم رہی، دونوں ایک دوسرے کا پرزہ پرزہ اڑا دینے میں کوشاں
نظر آئے۔ یہاں تک کہ وہ زخموں سے چور چور ہو گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ ایک کا جبڑا ٹوٹ گیا
اور دوسرے کے کان کے تین ٹکڑے ہو گئے۔
راجہ وحشیانہ، خوفناک مسرت کے ساتھ یہ تماشا دیکھ رہا تھا خود نعرے لگاتا
ان کے ضربوں اور حرکتوں کی نقالی کرتا، اور پکار پکار کر کہتا۔
ہاں ہاں بہادرو حملے کرو زور سے حملے کرو،
ان میں سے ایک بیہوش ہو کر گر پڑا، اور خون میں شرابور، اکھاڑے سے ہٹا لیا گیا،
راجہ نے تاسف کی اک گہری آہ کھینچی اسے افسوس تھا کہ وہ تماشا جلد ختم ہو گیا۔
پھر اس نے میری رائے معلوم کی میں تو اس وحشیانہ مجادلے سے بیزار ہو گیا تھا
لیکن مزاج کیانہ کرتا میں نے پرزور لفظوں میں اس کو مبارک باد دی، راجہ نے مجھے راج محل
میں پہونچانے کا حکم دیا، جہاں میرے قیام کا انتظام کیا گیا تھا
یہ رنگ محل شاہی پارک کے دوسری حد پر واقع تھا۔ اس کی ایک دیوار
متبرک خلیج دبیارا کے اندر نصب تھی ہر طرح محل حسین ترین صنعت کا نمونہ تھا اس کے گنبد۔۔۔۔

تین جانب متناسب قطار در قطار گیلریاں تھیں، ہر زاویہ پہ کہیں ایک ایک کہیں دو دو اونچی نیچی اور بانکی ٹیڑھی برجیاں تھیں کوئی ایک برجی دوسری سے ملتی جلتی نہ تھی گویا اس حسین مشرقی عمارت کی آغوش میں طرح طرح کے پھول لہک رہے تھے ان برجیوں پر گوناگوں ہزار چھتریں تھیں، معلوم ہوتا تھا کہ حسین عورتیں اپنے سروں پر بوقلموں ٹوپیاں ڈالے ہیں، اس عمارت کی وسط میں اک بڑا سا سفید مدور گنبد۔ گھڑی کے مینار کے پہلو میں یوں ابھرا ابھر نظر آتا تھا گویا وہ کسی حسین پری نژاد کا پستان تھا۔

ساری عمارت سقف سے سطح تک مصور قلم کاریوں سے پر تھی، خوبصورت، عربی نقوش جاذب نظر دلکش اور مسرت بخش تھے ان نقوش میں طرح طرح کے غیر متحرک مجسمے اور بت تراشے گئے تھے ان کی نازک ادائیں، اور چشمکیں زبان حال سے ہندوستانی اطوار اور طرز زندگی کا حصہ دہرا رہی تھیں۔ کمرے ان کھڑکیوں سے روشن تھے جن کی منقش محرابیں جمنا کی جانب کھلتی تھیں، مرمریں فرش پر جاذب نظر گلدستہ سنگ سلیمانی عقیق مینا اور لاجورد کی گلکاریوں سے مزین تھے۔

میں ابھی اپنی ضروریات سے بھی فارغ نہ ہو چکا تھا کہ ہری بادشاہی میر دربار کا معزز رئیس اور مترجم حاضر ہوا اور بادشاہ کے آنے کی خبر دی راجہ جس کا رنگ زعفران کی طرح دمک رہا تھا تشریف لایا۔

مجھ سے پھر ہاتھ ملایا اور مجھ سے ہزاروں قسم کی مختلف باتیں کرنے لگا، ان باتوں میں وہ ہمیشہ میری رائے طلب کرتا۔ مجھے اظہار رائے میں بڑی دقت پیش آتی۔ اس نے مجھے

اک پرانے محل کا فرسودہ کھنڈر دکھلایا یہ چمنستان کے بعید ترین حصہ میں واقع تھا، اور سچ پوچھیے تو پتھروں کا جنگل تھا۔ وہاں دراز بالوں والے بڑے بڑے بندروں کی اک بستی آباد تھی، ہماری آمد پر اکثر تو دیواروں پر طرح طرح کی مہیب صورتیں بنا کر دوڑنے لگے، اور مادائیں اپنے بچوں کو سینے سے لپٹائے ہوئے دور دور بھاگ گئیں۔ راجہ جوش مسرت سے قہقہے لگاتا اور میرے بازو میں چٹکیاں لیکر میری توجہ ان کی جانب مبذول کراتا، ہم اس ویرانے میں بیٹھ گئے۔ دیواروں اور ان کے کنگروں پر چاروں طرف قطار در قطار سفید مونچھوں والے بندر ہم پر دانت نکالتے اور مٹھیاں بند کر کر کے دھمکیاں دیتے۔

راجہ یہ تماشے خواب اچھی طرح دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور میرے پہلو بہ پہلو، آہستہ آہستہ، سلامت روی سے چلنے لگا، وہ اس پر بہت خوش تھا کہ میری آمد کے پہلے ہی دن اس نے مجھے یہ سب کچھ دکھلایا۔ راجہ نے مجھے یہ بھی بتا دیا کہ دوسرے ہی دن شیروں کے شکار کا ایک عظیم الشان سامان میری عزت میں کیا جائے گا،

ایک دو کا کیا ذکر میں شکار کے بیسیوں تماشوں میں شریک رہا۔ سینکڑوں قسم کے جانوروں کا شکار باری باری کیا گیا، چیتا، بھال، ہاتھی، ہرن، گھڑیال، دریائی گھوڑے اور بہت سے ایسے جانور جن کا مجھے علم بھی نہ تھا۔ مجھے خبر نہیں کہ کتنے جانور موت کی گھاٹ اتارے گئے غالباً عالم حیوانیت کی نصف قسمیں نشانہ اجل بنائی گئیں، اتنا خون بہنے پر مجھے نفرت سی ہو گئی میں اس بے لطف اور غیر متنوع مسرت سے قطعی بیزار تھا،

آخر کار راجہ کے انہماک میں کمی ہونے لگی، میری شدید استدعا پر مجھے اپنا کام کر لے

کے لئے کچھ وقت ملے گا، راجہ کی گرویدگی نے اب تحفوں کی شکل اختیار کرلی، اس نے مجھے بیش بہا جواہرات، اور طرح طرح کے نادر جانور بھیجے، ہری بادا میری بارگاہ میں یہ تحفے نہایت عزت اور احترام کے ساتھ پیش کرتا، گویا میں کوئی سورج دیوتا تھا جالانکہ وہ دل ہی دل میں مجھ سے بے انتہا نفرت کرتا تھا،

ہر روز قطار در قطار، زرکار سرپوش سے ڈھک کر شاہی آئیش میرے لئے لاتے۔ میری خوشنودی کے لئے نئے نئے سامان، دل چسپی پیدا کرنے میں راجہ کو خاص لذت ملتی، عورتوں کے ناچ، بھان متی کے تماشے، فوجوں کے معائنے سب میری مسرت کے لئے کئے جاتے، اور میں مجبوراً تمام مظاہروں پر اظہار خوشی کیا کرتا، تاکہ راجہ کے جذبات کو ٹھیس نہ لگے۔ ان دل چسپ اور گراں قدر عجائبات ملک کو مجھے دکھلا کر وہ اک خاص مسرت محسوس کرتا،

جب کبھی میں چند لمحوں کے لئے اکیلا ہوتا تو یا میں کچھ اپنا کام کرتا یا ان نباتوں کو دیکھنے کے لئے چلا جاتا، جن کی محبت مجھے ان شاہی مالک سے زیادہ مجھے مرغوب تھی، سیر سے واپس آکر، ایک شام کو میں نے ہری بادا کو اپنے محل کے صدر دروازہ پر موجود پایا، اس نے مجھ سے رازدارانہ طور پر کہا کہ اک نیا شاہی تحفہ میرے کمرے میں میرا منتظر ہے اس نے دبی زبان سے یہ بھی کہا کہ اس کے مالک نے اتنی بڑی مدت تک اس امر خاص کے التوا میں اپنی عدم توجہی کی معذرت مانگی۔

ان مجمل اور مبہم اشاروں کے بعد سفیر نے سر اپنا خم کیا اور روانہ ہو گیا،

کمرے میں داخل ہوتے ہی میں نے چھ عارضہ کم سن چھوکریوں کو دیکھا۔ دیوار سے چپکی ہوئی پہلو بہ پہلو ساکت کھڑی تھیں، بلا شبہ یہ مچھلیاں تھیں۔ اور کباب کرنے کے لئے سیخ پر آویزاں تھیں۔ سب سے بڑی غالباً دس برس کی ہوگی۔ اور چھوٹی آٹھ برس کی کچھ دیر تک میں نے کچھ نہ سمجھا کہ یہ لڑکیوں کا اسکول میرے کمرے میں کیوں کھولا گیا ہے، آخر کار میرا ذہن شاہی توجہ کے لطیف رمز کی جانب گیا، اور میں نے سمجھا کہ مجھے ایک مکمل حرم کی نذر دی گئی ہے، وفور رحمت کے تحت میں کمسن سے کمسن دوشیزہ لڑکیاں کا انتخاب کیا گیا تھا، کیوں نہ ہو یہ پھل جتنا ہی کچا ہوتا ہے اتنا ہی اس کی قدر زیادہ ہوتی ہے کچھ دیر تک میں مبہوت اور خبط رہا، میں ان بھولی بھولی لڑکیوں کے مجمع میں شرم سے گڑا جا رہا تھا، وہ سب کی سب مجھے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھیں اور غالباً سمجھ رہی تھیں کہ میں ان سے کیا طلب کرنے والا تھا،

میری زبان میں قفل پڑا تھا، میری دلی خواہش انھیں واپس کر دینے کی تھی، لیکن شاہی تحفہ کو رد کرنا اک خوفناک توہین تھی مجبوراً مجھکو انہیں قبول کرنا پڑا، لڑکیوں کی اس چھوٹی سی فوج کو میں نے اپنے کمرے میں سنوار دیا۔

وہ چپ چاپ کھڑی ہوئی مجھے گھور رہی تھیں اور میرے حکم کی منتظر تھیں میری آنکھوں سے میرے خیالات اور جذبات کا پتہ لگانے میں وہ کوشاں نظر آئیں لعنت ہے ایسے تحفہ پر۔ یہ تحفہ کس قدر میری شرافت میں سدِ راہ تھا، آخر یہ خیال کر کے کہ میں ان کی نظروں میں احمق سا معلوم ہو رہا ہوں، سب سے بڑی کا نام پوچھا۔

ٹیلی اس نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں نہایت شیریں آواز میں جواب دیا۔
یہ کمسن ہستی، یہ ننھی منی مخلوق اک مکمل ترین حسین مجسمہ تھی اس کا خوب صورت چمپئی جسم پرانے ہاتھی دانت کے رنگ کے مشابہ تھا۔ اور اس کے ہر انداز میں اک حیرت خیز ادا اور جذبہ نمایاں تھا۔

میں نے اسے الجھن میں ڈالنے کے لئے اور یہ سوچ کر کہ دیکھوں وہ کیا جواب دیتی ہے، پوچھا تم یہاں کس لئے آئی ہو۔

اس نے اک نرم اور سریلی آواز میں جواب دیا۔

میں یہاں اپنے آقا کی خوشنودی اور تعمیل خواہش کے لئے حاضر ہوئی ہوں۔

بہ ظاہر وہ راضی بہ رضا تھی۔

یہی سوال میں نے سب سے چھوٹی لڑکی سے کیا۔ اس نے بھی نہایت ہی شیریں اور نغمہ ریز آواز میں جواب دیا۔

میرے آقا میں یہاں حضور کے ہر حکم کو بجا لانے کے لئے آئی ہوں۔

یہ چھوکری اک حسین چڑیا جیسی تھی، بڑی جاذب نظر اور دل کش کچھ اسی پر منحصر نہ تھا۔ سب کی سب ایک سے ایک تھیں۔ ان کا انتخاب نہایت امتیاز اور صحیح مذاق پر ہوا تھا، ہر لڑکی اپنے رنگ میں یکتا تھی، ایک لاجوردی شمائل اور شگفتہ مزاج، دوسری گوری چٹی اور قاتل آنکھوں والی، تیسری کم سخن اور سنجیدہ، چوتھی خاموش فطرت گداز اور لذت خیز، پانچویں ظریف طبع اور انوکھی، چھٹی نیک مزاج اور شرمیلی تھی، ان

میں سے ایک کو میں نے اپنی آغوش میں لیکر پیار کیا اور اس کے بوسے لئے۔ دوسری لڑکیاں یہ دیکھ کر کہ میں نے اپنا انتخاب کر لیا وہاں سے چلی جانے پر آمادہ ہوئی۔ میں نے ان سب کی سب کو ٹھہرنے کا حکم دیا اور ان کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر انہیں پریوں کے قصے سنانے لگا میں ان کی زبان اچھی طرح بول سکتا تھا۔

وہ قصہ کو بڑے غور اور جوش مسرت سے لرزاں سنتی رہی، کبھی کبھی وہ جذبات کی یورش میں اپنی مٹھیاں بند کر لیتیں۔ گویا انھیں کسی قسم کی تکلیف تھی، بیچاریاں، غالباً ان کے دماغ اب اس بات سے خالی تھے، کہ وہ یہاں کس لئے بھیجی گئی تھیں

میں نے کہانی ختم کر کے چھمن اپنے خاص ملازم کو بلایا، اور ان کے لئے کیک اور مٹھائیاں منگوائیں، ان سب نے اس قدر مٹھائیاں اور کیک کھالئے کہ بیمار ہو جانے کا احتمال تھا۔ مجھے اس تجربے میں کافی سامان تفریح نظر آیا، میں نے اپنی کمسن بیویوں کو خوش کرنے کے لئے مختلف کھیل تجویز کئے۔

ان میں ایک کھیل کافی دلچسپ تھا، میں نے اپنے دونوں پاؤں کا ایک پل تیار کیا، سب کی سب لڑکیاں اس کے نیچے سے دوڑتیں، سب سے چھوٹی اندر اکڑتی اور سب سے بڑی ہمیشہ گر جاتی ہر چند یہ تھی کہ وہ پورے طور پر جھک کر نہیں دوڑتی تھی، یہ کھیل انھیں اس قدر پسند آیا کہ وہ چیخ چیخ کر قہقہے لگاتیں، ان کی ننھی آوازیں میرے آراستہ محل کی ننھی چھتوں سے ٹکرا کر گویا اٹھے بیدار کرتیں اور اسے طفلانہ اداؤں سے آباد کرتیں ان کی حسین اسارتی شرارت میں زندگی کی لہر دوڑا دیتی۔

میں نے اپنی بے گناہ داشتاؤں کے خواب گاہ کے متعلق کافی دلچسپی برتی اور
انہیں چار خدمت گزاروں کی نگرانی میں محصور کر کے سبکدوش ہو گیا۔ یہ مامائیں راجہ
نے میری بیگموں کی حفاظت کے لئے بھیجی تھیں۔

ایک ہفتہ تک میں ان جیتی جاگتی مشرقی گڑیوں کی آؤ بھگت میں مسرور رہا،
میں ان کے ساتھ آنکھ مچولی، کبڈی اور دوسرے دوسرے کھیل کھیلا کرتا، وہ خوشی
سے پھولے نہیں سماتیں، ہر روز میں ان کو اک نیا کھیل سکھاتا، وہ بہت ہی مسرور رہتیں

میرا محل اب اک اچھا خاصہ اسکول تھا، میری ننھی منی گڑیاں ٹنگا جمنی
زریں تارے ٹکے ہوئے خوب صورت ریشمی لباس پہنے سنسان کمروں، اور لمبی گیلریوں
کے اوپر نیچے، چھوٹے چھوٹے جانوروں کی طرح اچک کود کیا کرتیں۔

آخر کار، ایک شام کو، میں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ کیوں کر یہ واقعہ گذر گیا، سب سے
بڑی حسینہ، جو نیل وندان کا بت معلوم ہوتی تھی، اور جس کا نام شیلی تھا، میری بیوی بن گئی
وہ اک قابل پرستش، ننھی منی سی ہستی تھی، نازک، اور نایاب، وہ بہت جلد مجھ
سے گہری محبت کرنے لگی، پھر بھی شرم اور تذبذب خموشی اور سنجیدگی اس کی فطرت تھی،
وہ خائف رہتی کہ کہیں اس بے موقع گفتگو، یا اظہار محبت کا پیمانہ مجھے بدظن نہ کردے؟
خلاصہ یہ کہ وہ میری عاشق تھی اور مجھ پر جان و دل سے فدا تھی، میں بھی اسے بہت ہی
چاہنے لگا تھا، گویا میں اس کا بڑا بھائی تھا،

معاف کیجئے میں کچھ دائرہ اعتدال سے آگے نکل گیا ہوں خیر،

دوسری لڑکیاں بلی کے بچوں کی طرح محل میں کھیلا کرتیں، لیکن شلی اب مجھ سے جدا نہ ہوتی، وہ مجھ سے اسی وقت علیحدہ ہوتی جب میں راجہ سے ملنے جاتا۔

ہم دونوں اپنا دل جب وقت بندروں کے جھنڈ میں جن سے اب اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی، پرانے قلعہ کے کھنڈر کے محاذ میں گذارا کرتے، وہ کبھی میرے زانو پر دراز ہو جاتی اور وہیں پڑی پڑی اپنے چھوٹے سے پر اسرار دماغ میں ہر قسم کے دلچسپ خیالات دوڑاتی اکثر بلا کچھ سوچے سمجھے پڑی رہتی۔ اک جاذب نظر حسن کا مجسمہ بنی ہوئی پڑی رہتی۔ جس سے خاندان کی شرافت اور نفاست طبع ٹپکتی ہوتی اس دلکش انداز اور کیف آفریں ناز و ادا میں حتبرک بتوں کے مجسموں کی شان جلوہ گر رہتی تھی۔

میں کبھی کبھی اک بیل کے تھال میں کیک پھل اور دوسری دوسری چیزیں لاتا، انھیں دیکھ کر بندر رفتہ رفتہ ہمارے نزدیک آ جاتے، ان کے پیچھے چھوٹے چھوٹے بزدل بچے ہوتے وہ ہمارے چاروں طرف دائرہ بنا کر کچھ دور پر بیٹھ جاتے، اور بغیر نزدیک آئے ہوئے اس بات کے متمنی ہوتے کہ میں انھیں وہ لذیذ چیزیں کھلاؤں، نر تو اکثر فقیر کی طرح ہاتھ پھیلا کر، دلبری سے ہمارے قریب آ جاتے، اور جب میں انھیں کچھ دید یتا تو وہ لوٹ کر اپنی بیولوں کو دے آتے، اس پر کافی چیخ و پکار ہوتی، غصہ اور حسد سے بھری ہوئی آوازیں بلند ہوتیں جب تک میں ہر ایک کو کچھ نہ کچھ نہ دے چکتا۔ اس حشرات اور ہنگامے میں کمی نہ ہوتی،

کھنڈر میں کافی سکون اور اطمینان رہتا میں اپنے آلات لا کر وہاں کام کیا کرتا

لیکن جب بندر آلات مسی کی چمک دیکھ پاتے تو وہ اسے کوئی خوفناک انجن سمجھ کر چیختے چلاتے ہوئے ہر چہار طرف بھاگ جاتے

میں اپنی شام شیلی کے ساتھ اکثر محل کے بیرونی حصہ میں گزارا کرتا، اس کے آمنے سامنے خلیج دیہار موج زن تھی، ہم خاموشی سے آسمان پر خرام ناز کرنے والے اور پانی میں اک مرتعش سیمیں چادر بچھانے والے ماہتاب کا نظارہ کیا کرتے، کچھ دور پر ساحل کے پاس مخروطی مناروں کی قطاریں سانپ کی چھتریوں کی طرح اپنے پاؤں زمین میں گاڑے نظر آتیں اس رومانی ماحول سے متاثر ہو کر میں اپنی حسین معشوقہ کا تخیل آفریں سر اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان لیکر اک لمبا، نرم اور مزے دار بوسہ، اس کے نوکیلے ابرو، اس کی موٹی موٹی آنکھوں اور اس کے خاموش لبوں کا لیتا۔ اس کی آنکھوں میں اس قدیم اور طلسمی ملک کے راز نہاں تھے، اس کے لب، آہستہ آہستہ میرے پیار پر کشادہ ہو جاتے اور بوسوں کے طلب گار ہوتے، میں اس کے بوسوں میں اک حیرت خیز لذت محسوس کرتا تھا، مجھے گویا یہ محسوس ہوتا کہ اس لڑکی کو پا کر میں اک مکمل قوم کا مالک بن گیا ہوں اس پراسرار قوم کا جس سے شاید تمام اقوام عالم کی آفرینش ہوئی ہے۔

راجہ کی جانب سے برابر تحفوں کی یورش رہی، ایک دن اس نے مجھے اک ایسا تحفہ بھیجا، جسے دیکھ کر شیلی نے تعریفوں کے پل باندھ دیئے، یہ محض کٹ کا ایک ڈبہ تھا۔ جس پر سیپ کے ٹکڑے جڑے تھے ایسے ڈبے ولایتی بندرگاہوں پر آنے دو آنے کو مل جاتے ہیں۔ لیکن اس ملک میں اک انمول جواہر تھا غالباً یہ اپنے قسم کا پہلا ڈبہ تھا، جو اس

تک میں آیا تھا، میں نے اسے ایک میز پر رکھدیا اور وہیں رہنے دیا، مجھے حیرت تھی، کہ کس قدر قیمت اس معمولی ڈبے کی خریداری پر صرف کی گئی تھی،

لیکن شیلی اسے کبھی نہ دیکھ چکتی، وہ ہمیشہ اس کی تعریف میں رطب اللسان رہتی کبھی کبھی مجھ سے پوچھتی کہ کیا میں اسے چھو سکتی ہوں، جب میں اس کی اجازت دیتا تو وہ اس کے ڈھکنے کو احتیاط سے کھولتی اور بند کرتی، نہایت نرمی سے اُن سیپ کے ٹکڑوں کو چھوتی، اس لمس میں اسے اک خاص جسمانی لذت محسوس ہوتی تھی،

بہر حال اب میرا کام ختم ہو گیا تھا، اور میری واپسی کا وقت قریب تھا پھر بھی کچھ زمانہ گزرنے کے بعد میں نے اپنے جانے کا مصمم ارادہ کیا، مجھے اپنی شیلی کی جدائی بہت شاق تھی، بہت مجبور ہو کر میں نے اپنی روانگی کا دن مقرر کر دیا،

راجہ نے پھر نئے رنگ پر شکار اور جنگل کے سامان کیے، کوئی پندرہ دن کی نشاط آفرین مشغولیت کے بعد میں جانے پر اڑ گیا، راجہ نے مجبوراً مجھے اجازت دی،

شیلی سے میری آخری ملاقات دل فگار تھی، وہ میرے پاس لیٹی ہوئی اپنے سر کو میرے سینے پر رکھے ہوئے روتی رہی، روتے روتے گھگھی بندھ جاتی اور اس کے جسم میں ارتعاش پیدا ہو جاتا مجھے کچھ نہ بن پڑتی تھی کہ میں کیونکر اس کی تسلی کروں میرے بوسے نا سیرے سود تھے،

ناگہاں میرے دماغ میں ایک بات آئی، میں اٹھا اور جا کر وہ ڈبہ لے آیا، اور ڈبے کو شیلی کے ہاتھوں میں دیکر کہا،

لو یہ میری یادگار رہے، اب یہ ڈبہ تمہارا ہے،

فوراً اس کے چہرے پر اک تبسم کی جھلک دکھائی دی، اور اندرونی مسرت سے اس کا چہرہ کھل گیا، گویا کسی ناممکن الحصول خواب کی سچی تعبیر مل گئی، اس نے مجھے بھینچ بھینچ کر پیار کیا۔ تاہم جب میں نے اسے وداعی بوسہ دیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، اس کے رونے کی آواز اب تک میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہے۔

میں نے اپنے دوسرے معشوقوں کو بھی پیار کیا، مٹھائیاں دیں، اور وہاں سے چل دیا۔

...............

دو برس کے بعد سرکاری کاموں سے مجھے پھر بمبئی آنا پڑا، اب میں اس ملک اور یہاں کی زبان سے اچھی طرح واقف ہو گیا تھا، اس لئے مجھے اک دوسری خدمت تفویض کر دی گئی۔

میں نے اپنا کام جلدی ختم کر دیا، کافی وقت بچ رہا تھا میں نے اپنے دوست راجہ گان ہارڈ سے ملنے کا ارادہ کیا، دوسری کشش شیلی کو پھر ایک بار دیکھ لینے کی تھی، گو میرا خیال تھا کہ اب وہ بدل گئی ہو گی،

راجہ نے میرا خیر مقدم بڑی مسرت سے کیا، تمام دن اس نے مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی تنہا نہ چھوڑا، شب کے وقت جب تنہائی ہوئی تو میں نے ہری یادا کو بلوایا اور چند مغالطہ آمیز بے تکے سوالوں کے بعد اس سے پوچھ بیٹھا،

کہو، تمہیں شیلی کی بھی کچھ خبر ہے، وہی شیلی، جسے راجہ نے مجھے تحفہ بھیجا تھا۔

فوراً ہی اس نے اک غمناک صورت بنالی اور ہچکچا کر بولا۔

اس کا ذکر نہ کیجئے تو بہتر ہے۔

کیوں، کیوں وہ تو اک بہت ہی پیاری لڑکی تھی۔

ہاں لیکن، وہ بہت ہی بُری نکلی حضور،

کون یا شیلی، اچھا تو وہ ہوئی کیا کچھ کہو تو وہ ہے کہاں،

میرا مطلب یہ ہے کہ اس کا انجام برا ہوا۔

برا انجام کیا، کیا وہ مر گئی۔

جی ہاں، اس نے اک نہایت ہی بری حرکت کی،

اس انداز گفتگو سے مجھے نفرت پیدا ہونے لگی، میرا دل دھڑکنے لگا، اور میرے سینے میں غم کی لہریں دوڑ گیئں، میں یہ جاننے پر مصر ہوا کہ آخر اس نے کیا کیا اور اس پر کیا گزری،

میرے اصرار پر وہ گھبرا گیا، وہ حیص بیص میں تھا کہ کیا کہے کیا نہ کہے۔ آخر وہ دھیمی آواز میں بولا۔

بہتر ہے کہ حضور اب کچھ نہ پوچھیں، یہ بات اگر رازی رہے تو اچھا ہے

لیکن میں اس راز کو جاننا چاہتا ہوں، میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم فوراً مجھے اس راز سے آگاہ کردو۔

اب وہ مجبور ہو گیا۔ اور نہایت ہی مدھم آواز میں بولا،

حضور اس نے چوری کی،

چوری کی! شبلی نے، اچھا اس نے چرایا کیا، کیا چوری کی سزا پھانسی ہے۔

نہیں، لیکن اس نے راجہ اور اس کے مہمان کی توہین کی، اور آپ کی ایک چیز

چرالی،

میری چیز! یعنی؟

جس دن آپ روانہ ہوئے اس نے آپ کے اس ڈبہ کو چرالیا جسے راجہ نے

آپ کو تحفہ دیا تھا۔ آپ کے جانے کے بعد وہ ڈبہ اس کے ہاتھ میں پایا گیا۔

کون سا ڈبہ؟

وہ جس پر سیپ جڑے ہوئے تھے۔

لیکن وہ تو میں نے خود اسے دیا تھا۔

ہری بادا مخبوط الحواسوں کی طرح میری جانب تکتا رہا، پھر بولا،

اس نے بھی بہت سی متبرک قسمیں کھا کر یہ بات کہی تھی، کہ آپ نے وہ ڈبہ اسے

عنایت کیا تھا، لیکن کسی نے اس کی باتوں کا اعتبار نہ کیا۔ کیسے یقین ہو سکتا تھا کہ وہ

تحفہ جسے خود راجہ نے آپ کو نذر کیا تھا، آپ ایک لونڈی کو بخش دیں گے، اسی لئے

راجہ نے اس کی سزا کی اس کو کون سی سزا دی گئی۔ اس کے ساتھ کیا، کیا گیا؟

وہ ایک بوریا میں باندھ کر کھڑکی کی راہ سے خلیج میں ڈال دی گئی، اسی کھڑکی کی راہ

سے جہاں ہم کھڑے ہیں۔ اور جہاں وہ چوری کی مرتکب ہوئی تھی،

مجھے شدید صدمہ گزرا، زندگی میں پھر کوئی دوسرا دھچکا مجھے ایسا نہ لگا، میں نے ہری آباد کو چلے جانے کا اشارہ کیا، تاکہ وہ میرے آنسوؤں کو نہ دیکھ سکے میں نے وہ رات گیلری پر گزاری، اسی گیلری پر جہاں میں اپنی بدنصیب معشوقہ کو زانو پر بٹھا کر لطف اندوز ہوا کرتا تھا،

اس حسینہ کا نقشہ اس کا چھوٹا سا نازک جسم، جو اب خلیج کے سیاہ پانی میں گل گیا ہوگا، میرے دماغ میں چکر لگانے لگا، افسوس وہ آب خلیج جو اس وقت میرے قدموں کے نیچے موجزن تھا کبھی ہم دونوں کے لئے باعث تفریح تھا اور جس کا نظارہ ہماری آنکھوں میں طراوت پیدا کرتا تھا۔

راجہ کے بے حد اصرار کے باوجود بھی میں وہاں سے دوسرے ہی دن روانہ ہوگیا، اب مجھ میں حیلہ سازی اور چاپلوسی کی باتوں کی تاب نہ تھی، اور نہ میرے دل میں اس شخص کی کوئی عزت ہی تھی، جس نے میری محبوبہ کو ایسی بے رحمی اور شقاوت سے موت کے گھاٹ اتارا تھا،

مجھے ابھی تک یہ محسوس ہوتا ہے کہ

مجھے شیلی کے سوا دنیا کی کسی عورت سے عشق، سچا عشق کبھی بھی نہ ہوا۔

---

# خطاب کیوں کر ملا

فطرت انسانی ایک عجیب معمہ ہے، انسانی خواہشیں مختلف طریقوں پر رونما ہوتی ہیں، کچھ لوگوں کی جبلّت میں خلقی طور پر کوئی نہ کوئی خاص جذبہ اور رجحان طبع ودیعت ہوتا ہے، یہ خیال ان کے دل میں اس وقت سے جاگزیں ہو جاتا ہے جب ان میں بات چیت کرنے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

موسیو کیلارڈ کے دماغ میں خطاب کی لپک اور حسرت بچپن ہی سے نمایاں تھی بہت ہی کم سنی میں وہ لیجن آف آنر (فرانس کا ایک معزز خطاب جسے نپولین اول نے جاری کیا) کی ایک صلیب جستہ کی بنی ہوئی اپنے کوٹ میں لگایا کرتا (ٹھیک اسی طرح، جس طرح دوسرے لڑکے سپاہیوں جیسی ٹوپیاں پہنا کرتے ہیں)، اور اپنی ماں کا ہاتھ مغرورانہ انداز سے پکڑے شان سے سینہ تانے ہوئے چلتا تاکہ سرخ ربن (فیتہ) اور ستارہ، کا مظاہرہ اچھی طرح ہو سکے۔

اس کی تعلیمی زندگی ناکامیاب رہی، وہ بی۔اے بھی نہ کر سکا پھر بھی چوں کہ کافی امیر تھا، اس نے ایک حسین عورت سے شادی کر لی،

متوسط الحال امرا کی طرح دونوں میاں بیوی پیرس میں رہتے تھے، خاص خاص طبقہ کے لوگوں سے ان کی معاشرت تھی غیروں سے بہت کم مراسم تھے اعلیٰ سرکاری حکام کی ملاقات پر فخر کرتے۔ خصوصاً ہونے والے وزرا کی ڈویژن کے دو افسران کے دوستوں میں تھے

یہ سب کچھ تھا لیکن کیلارڈ کے دماغ سے خطاب کا خیال کبھی محو نہیں ہوا، وہ اپنے بٹن کے سوراخ میں لیجن آف آنر کے رنگین فیتہ کو پہننے کے لئے ہمیشہ بے چین اور افسردہ خاطر رہا کرتا۔

سیرگاہوں میں اس کی مڈبھیڑ جب کسی ایسے شخص سے ہو جاتی جس کا سینہ مزین ہوتا تو وہ اسے گہرے حسد کی نگاہ سے دیکھتا جب کبھی سہ پہر کے وقت اس کو کچھ کام نہ ہوتا تو وہ ان کا شمار کیا کرتا اور دل ہی دل میں کہتا کہ دیکھوں مڈلین اور روڈروؤن کے درمیان کتنوں سے ملاقات ہوتی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ چل کر سرکوٹ پہ مجھی ہوئی نظر ڈالتا سیر ختم ہو جانے پر زور زور سے گنتا، آٹھ افسر، ستر ہ نائٹ، اتنی تعداد اس فراخدلی سے ایسے معزز صلیبی خطاب کو بانٹنا محض حماقت ہے۔ ...... نہ معلوم کتنے واپسی میں ملیں گے

جب مسافروں کی یورش اس کے نظارے میں مخل ہوتی تو وہ غمگین اور ملول آہستہ آہستہ گھر لوٹ جاتا، وہ ان مقاموں سے بھی واقف تھا، جہاں ان کی کثرت رہتی، وہ زیادہ تر پیلس رائل میں جمع ہوتے روڈوی لاپیکس، ایس اوپیو دی آپرا سے زیادہ بھیڑ رہتی، یہ خطاب یافتہ حضرات عموماً روش کے داہنے جانب سیر میں مشغول

پہنچے، اور چند خاص الخاص ہوٹل اور تھیٹر کو سرفراز کرتے، جب کیلارڈ سن رسیدہ شریف لوگوں کو بیچ راہ میں اکٹھے کھڑے دیکھتا تو فوراً سمجھ لیتا کہ یہ کمپنین آف آنر کے افسران ہیں انھیں دیکھ کر اس کی دلی خواہش سر تسلیم خم کر دینے کی ہوتی، وہ اکثر کہا کرتا کہ کمپنین آف آنر کے افسر کی شان رعنائی، نائٹ سے زیادہ ہے۔ افسر اپنے سر کو اس انداز سے بلند رکھتا ہے کہ دیکھنے والا محسوس کرتا ہے کہ اس میں کوئی خاص امتیازی شان اور اور عالم گیر اہمیت ہے۔

کبھی کبھی اس کے دل میں ان خطاب یافتہ لوگوں کی جانب سے سخت نفرت پیدا ہو جاتی، اس وقت وہ انھیں اک اشتراکی نقطۂ نظر سے دیکھتا۔

جب کافی تعداد میں صلیبوں کی دیکھ کر وہ گھر پہنچتا تو بھوکے فقیر کی طرح جس کا گزر مٹھائیوں کی دوکانوں پر ہوا ہو۔ زور سے بول اٹھتا،

نہ معلوم کب اس ذلیل حکومت سے نجات ملے گی۔ اس کی بیوی تعجب سے پوچھتی کیوں خیر تو ہے آج تمہاری یہ کیا کیفیت ہے۔

مجھے گورنمنٹ کی بے انصافیوں پر اور عدم مساوات پر سخت غصہ ہے اشتمالیوں کی رائے بہت صحیح ہے۔

ڈنر کے بعد پھر باہر جانا اور ان دوکانوں کا معائنہ کرنا جہاں یہ تمغے بکتے ہیں مختلف رنگ اور ساخت کے نمونوں کو بغور دیکھتا اور اس کے دل میں یہ گدگدی ہوتی، کہ کاش وہ ان تمام تمغوں سے مزین ہو کر سینہ تانے۔ ٹوپی بغل میں دبائے۔ درخشندہ ستاروں

کی طرح چمکتا دمکتا، تعریفی سرگوشیوں اور تعظیمی خطابوں کا مرکز بنا ہوا جلوس کے آگے آگے ہوتا،

لیکن افسوس تو یہ ہے کہ اس کو کوئی حق ان تمغوں کے پہننے کا نہیں تھا۔

وہ خوب جانتا تھا کہ اس خطاب کے ملنے کے لئے رفاہ عام کی کوئی زبردست خدمت لازمی تھی، کاش وہ ارکان دار العلوم یونیورسٹی کا کوئی رکن ہی ہوتا۔ مزا تو یہ ہے کہ اس کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس خطاب کے حاصل کرنے میں کیا کیا کارروائیاں ضروری ہیں۔

ایک دن اس نے اپنی بیوی سے اس کا ذکر کیا۔ وہ حیرت سے اس کا منہ تکنے لگی،

یونیورسٹی کا افسر، بھلا تم اس کے مستحق کیوں کر ہو سکتے ہو۔

وہ بگڑ کر بولا میں جانتا ہوں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں میں صرف کوئی وسیلہ ڈھونڈ رہا ہوں

بعض اوقات تم بالکل احمق کی سی باتیں کرتی ہو۔ وہ ہنسی

تم ٹھیک کہتے ہو۔ آخر میں ان باتوں کو کیا جانوں۔

دفعتاً اسے ایک بات سوجھ گئی،

اچھا، ہم موسیو روزلین۔ ڈپٹی سے اس کا تذکرہ کریں وہ ضرور کوئی مناسب رائے دیگا، لیکن میں اس سے اس ذکر کو نہیں چھیڑ سکتا کیوں کہ بات نازک ہے ہاں اگر تم گفتگو کرو تو یہ بات قرین فطرت ہوگی۔

مادام کیلارڈ نے اپنے شوہر کے حکم کی تعمیل کی، روزلین نے وزیر سے سفارش کا وعدہ کیا۔ پھر کیا تھا، کیلارڈ نے اسے عاجز کرنا شروع کیا، جان چھڑانے کی غرض سے

روز نسیوتے اُسے باضابطہ درخواست دینے اور اپنے حقوق کو بیان کرنے کا مشورہ دیا

"حکومت کو آخر معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارے استحقاق کیا ہیں تم تو پیدا ہی نہیں ہوئے

بھی نہیں ہو"

بہرحال اس نے علمی کام کرنا شروع کیا، اور ایک رسالہ جس کی سرخی تھی "قوم

کے حقوق تعلیم" مرتب کرنے لگا، لیکن خیالات کے کمی کی باعث اسے پورا نہ کر سکا،

بھاری پتھر چوم کر چھوڑ دیا۔

اب آسان تحریریں شروع کیں۔ چند مختلف موضوع پہ خامہ فرسائی کی پہلا

مضمون یہ تھا،

"آنکھوں کے ذریعہ سے بچوں کی تعلیم" تجویز یہ تھی کہ اس مقصد کے حصول کے لئے

پیرس کے ہر محلے میں خصوصاً جہاں غریبوں کی آبادی زیادہ تھی تھیٹر قائم کئے جائیں اور کمسن بچا

سے کم سن لڑکوں کو میجک لالٹین کے ذریعہ سے وہاں مفت تعلیم دی جائے، مختلف

علوم کے نکات باضابطہ سمجھائے جائیں۔ ان تصویروں کے ذریعہ سے تاریخ ہیئت، طبعیات

جغرافیہ، نباتات، حیوانات، جراحی کے درس دئے جائیں تاکہ ان کے نقش بچوں کے سادہ

دماغوں پر کالحجر ہو جائیں۔

اپنے ان خیالات کو اس نے اک رسالہ کی صورت میں قلم بند کر کے شائع کیا۔ اس کی

ایک جلد ہر ڈپٹی کو دس ہر وزیر کو پچاس پریسیڈنٹ کو پانچ ہر معزز اخباروں کو اور

دس ہر فرانسیسی رئیسوں کو تقسیم کر دیا۔

پھر اس نے ایک مضمون "چلتا پھرتا کتب خانہ" کے عنوان پر لکھا، خیال یہ تھا کہ چھوٹی چھوٹی گاڑیاں کتابوں سے بھر کر محلے محلے پہنچائی جائیں۔ اور ہر کرایہ دار اور مالک مکان کو آدھ آنہ چندہ دینے پر، دس کتابیں مطالعہ کے لئے دی جائیں۔

کیلارڈ کا خیال تھا کہ لوگ کتابیں محض تفریح طبع کے لئے بھی حاصل کر کے ان سے مستفیض ہو جائیں گے، اور ان میں مذاق تعلیم پیدا ہو جائے گا۔ اس طرح تعلیم لوگوں کے گھر گھر پہنچا دی جائے گی،

اس کے مضامین جاذب توجہ نہ ہوئے، پھر بھی اُس نے اپنی درخواست بھیج دی اور حسب معمول سرکاری جواب اس کی رسید کا آگیا، کیلارڈ کامیابی کے خواب دیکھنے لگا۔ لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔

جب کچھ دن گزر گئے تو اس نے صیغہ تعلیم کے وزیر سے ملاقات کی استدعا کی تاکہ زبانی اظہار خیال کرے اور اپنے حقوق جتائے، وزیر تک تو رسائی نہیں ہوئی، مگر ایک نوجوان افسر سے ملاقات ہوئی، یہ بہت ہی معزز تھا، اور ساتھ ہی ساتھ مغرور وہ برابر بجلی کی گھنٹی کے بٹن کو دبا کر اہلمدوں دربانوں اور چپراسیوں کو بلایا کرتا کیلارڈ کو اس نے تشفی دی کہ اس کا کام مزے میں آگے بڑھ رہا ہے اور اسے اپنی علمی تحقیق جاری رکھنے کی صلاح دی، کیلارڈ پھر دماغ سوزیوں میں منہمک ہو گیا۔

روزبین۔ ڈچی، اب کیلارڈ کے معاملے میں بہت زیادہ دلچسپی لینے لگا۔ عمدہ عمدہ تدبیریں اس کے متعلق تجویز کیں۔ نیز تاک پر بیٹھ گیا، اور اسے خطاب بھی مل گیا،

لیکن کسی نے یہ نہ جانا کہ کون سی گراں قدر خدمت اس اعزاز کا باعث ہوئی،

اس نے کیلارڈ کو نئی نئی تحقیقات اور تفتیش کی راہیں بتائیں، اس کا تعارف ان علمی سوسائٹیوں سے کرایا جہاں غیر معمولی دماغ والی ہستیاں، شہرت اور عزت حاصل کرنے کے لئے سائنس کے ایجاد میں مشغول تھیں۔ وہ اسے اپنے ساتھ لے جا کر وزیر سے بھی ملا لایا۔

ایک دن لنچ کے لئے وہ کیلارڈ کے گھر آیا۔ ادھر چند مہینوں سے وہ ڈنر کا کھانا برابر نہیں کھاتا تھا، ہاتھ ملاتے وقت اس نے کیلارڈ سے بہت آہستہ سے کہا،

میں نے تمہارے لئے اک نیا سامان بہم پہونچایا ہے، علم تاریخ کی کمیٹی تم کو اک کمیشن پر بھیجنے والی ہے، فرانس کے مختلف کتب خانوں میں جا کر تمہیں کچھ تحقیقات کرنی پڑے گی۔

کیلارڈ اس خبر پر ایسا خوش ہوا کہ کچھ کھا پی نہ سکا، ایک ہفتہ کے بعد وہ روانہ ہو گیا، وہ شہروں میں گھوم گھوم کر کتابوں کی فہرست کا مطالعہ کرتا، پرانی جلدوں کو کرید کرید کر نکالتا، نوبت یہ پہونچی کہ کتب خانوں کے مہتمم اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے

جب وہ روآن میں مقیم تھا تو اس کی حسین طرح دار بیوی کے خیال نے اسے ستانا شروع کیا، کوئی دس دن ہو گئے تھے کہ اس نے اسے دیکھا نہ تھا، وہ نو بجے کی گاڑی سے روانہ ہو گیا جو بارہ بجے شب کو اس کے گھر پہونچتی تھی۔

باہر کے قفل کی دوہری کنجی اس کے پاس تھی، اس کے بغیر کسی شور کے وہ مکان

میں داخل ہو گیا، وہ دل ہی دل میں اس خیال پر خوش تھا کہ اس کے اچانک پہونچ جانے پر

اس کی بیوی مسرت سے پھولے نہ سمائے گی،

کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا، یہ کتنی تکلیف وہ بات تھی وہ باہر سے پکار

کر بولا۔

"جینی، میں ہوں، دروازہ کھولو"

وہ غالباً بہت ڈر گئی، کیوں کہ کیلارڈ نے اسے پلنگ سے کودتے ہوئے اور آپ ہی

آپ کچھ بولتے ہوئے سنا، گویا وہ خواب میں بڑبڑا رہی تھی، وہ گھبرائی ہوئی سنگار

کمرے میں گئی، دروازہ کھولا اور پھر بند کر دیا، دو تین بار ننگے پاؤں اپنے کمرے کا چکر

لگایا، اور فرنیچروں کو الٹ پلٹ کر دیا، شیشوں اور گل دانوں کے ٹکرانے کی آوازیں

کمرے سے بلند ہونے لگیں، جب یہ سب کچھ ہو چکا تو وہ بولی،

کیا تم ہو الگزنڈر

ہاں، ہاں میں ہوں جلد دروازہ کھولو،

جوں ہی دروازہ کھلا، جینی اپنے شوہر کی گود میں گر پڑی اور لرزتی ہوئی آواز میں

بولی،

اف، وہ خوف، یہ اسنجا اب پھر یہ خوشی، آہ میں تمہارے لئے کس قدر تڑپ

رہی تھی،

کیلارڈ، حسب عادت اپنے کپڑے قاعدے سے اتارنے لگا، وہ ہر کام کو سلیقہ

سے کیا کرتا، کرسی پر سے اور کوٹ نشست گاہ میں لٹکانے کے لئے اٹھایا۔ لیکن یک بہ یک
اسے سکتہ سا ہو گیا، اور اس کے پاؤں زمین پر جم گئے، اس کے بٹن کے سوراخ میں لیجن آف
آنر کی سرخ دھجی تھی،

اس... اسس...... کوٹ میں تو سرخ ربن چپاں ہے۔

اس کی بیوی نے مؤاخذہ کو اس پر گرا دیا اور کوٹ اس کے ہاتھوں سے لے کر بولی،

نہیں نہیں تم غلطی کر رہے ہو، کوٹ مجھے دیدو۔

لیکن وہ کوٹ کی ایک آستین کو پکڑے ہوئے مضبوط پکڑے، پاگلوں کی طرح بک رہا تھا
بتاؤ، جلد بتاؤ۔ یہ کوٹ کس کا ہے۔ یہ تو میرا ہرگز نہیں، کیوں کہ اس میں لیجن
آف آنر چسپاں ہے۔

اس کی بیوی نے پھر ایک اور کوشش کوٹ چھین لینے کی کی، وہ بہت
ہی سہمی ہوئی تھی اور گھبراہٹ میں کچھ صاف بول بھی نہیں سکتی تھی؛

سنو، سنو، کوٹ مجھے دیدو، مجھے کہنا نہیں چاہئے۔ یہ ایک راز ہے۔
خدا کے لئے کوٹ دیدو۔

لیکن وہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور بگڑ کر بولا۔

میں... یہ جاننا چاہتا ہوں،... کہ یہ کوٹ یہاں کیسے آیا... یہ میرا نہیں ہے،

اب وہ زور دیکر بولی۔

ہاں، ہاں تمہارے سنیئے تو سہی،... قسم کھاؤ کہ کسی سے کہو گے نہیں... تم کو

لیجن آف آنر کا نمونہ مل گیا،

جینی کا مقصد اس مذاق سے اس کی جان لینے کا نہیں تھا۔

کیلارڈ ایسا بدحواس ہوا کہ کوٹ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر، آرام کرسی پر گر گیا،

مجکو تمغہ..... تم کہتی ہو کہ مجکو..... تمغہ مل گیا،

ہاں، ہاں، لیکن یہ راز ہے، سخت پوشیدہ، راز ہے،

جینی نے اس مبارک کوٹ کو الماری میں رکھدیا۔ اپنے شوہر کے پاس حواس باختہ کانپتی ہوئی آئی،

ہاں وہ بولی، یہ اک نیا کوٹ ہے جو میں نے تمہارے لئے بنوایا ہے میں نے قسم کھائی تھی کہ اس کے متعلق تم سے کچھ نہ کہوں گی، جب تک گزٹ میں اعلان نہ ہو جائے، اعلان کوئی چھ ہفتہ کے اندر اندر ہو جائے گا یہ راز تم پر اس وقت ظاہر ہو تا جب تم اپنا کام ختم کر کے واپس آتے،

موسیو روزلین نے یہ کام کیا،

روزلین! وہ خوشی سے اچھل کر بولا..... اس نے مجھے یہ عزت دلوائی، اس نے.....

اس کی زبان خشک ہو گئی اور وہ پانی پینے پر مجبور ہوا،

کاغذ کا ایک سفید ٹکڑا، کوٹ سے نکل کر زمین پر گر پڑا تھا، کیلارڈ نے اسے اٹھا کر پڑھا۔

روزلیں ——— ڈپٹی
دیکھا تم نے! اس کی بیوی نے کہا۔
وہ خوشی سے رو دیا۔
ایک ہفتہ کے بعد سرکاری گزٹ میں یہ اعلان شائع ہوا کہ
"موسیو کیلارڈ کو اس کی غیر معمولی خدمات کے صلہ میں"
"لیجن آف آنر کا گراں قدر اعزاز"
"مرحمت کیا گیا"

# 'وہ'

تم کہتے ہو کہ یہ بات تمہاری سمجھ میں کسی طرح بھی نہیں آسکتی، میرے پیارے
دوست مجھے تمہاری ان باتوں پر یقین بھی ہے، کیوں؟ تمہارا خیال ہے کہ میرا
دماغ چل گیا ہے، ہو سکتا ہے، لیکن ان وجہوں سے نہیں جو تم خیال کیے ہوئے ہو۔
ہاں! میں شادی کرنے والا ہوں۔ اور اس فیصلہ کی وجہ میں تم سے بیان
کرنا چاہتا ہوں۔

میرے خیالات اور میرے اعتقادات میں ذرا بھی تغیر نہیں ہوا ہے۔
میں تمام قانون مجامعت کو سراسر حماقت تصور کرتا ہوں، میرا یقین ہے کہ
دس میں نو شوہر ضرور دیوث ہوتے ہیں۔ اور اس بیوقوفی کی سزا اُن کو کافی سے
زیادہ مل جاتی ہے۔ وہ شادی کی زنجیر اپنے پاؤں میں ڈال کر اپنی زندگی خراب
کر رکھتے ہیں، آزادانہ محبت دنیا میں انسانی زندگی کا اک واحد، مزے دار اور
مسرت خیز مشغلہ ہے وہ اسے ترک کر دیتے ہیں، حماقت کے مرتکب ہوتے ہیں،

طرہ یہ کہ وہ اپنے طائرِ خیال کے پروں کو جو ہمیشہ ہم کو عورتوں کی جانب متوجہ کرنے میں دست و بازو کا کام دیتے ہیں تراش ڈالتے ہیں وغیرہ وغیرہ، تم غالباً میرا مفہوم سمجھ گئے ہو گے، مجھے پہلے سے کہیں زیادہ اس بات کا احساس ہے کہ میں کسی ایک عورت کے پیار پر قانع نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ میں ہمیشہ بقیہ عورتوں کو اس ایک سے کہیں زیادہ چاہتا رہوں گا۔ مجھے ہزاروں مرمریں بازو، ہزاروں دہن تنگ اور ہزاروں ..... تو یہ خشکی خوش مزاج تیلیاں چاہئیں تاکہ میں ان تمام حسین ہستیوں کو یہ یک وقت کلیجہ سے لپٹا کر ان کا جوہر کھینچ لوں،

تاہم میں شادی کرنے جا رہا ہوں،

تم کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں اس لڑکی کے متعلق جو کل میری بیوی بننے والی ہے گویا کچھ بھی نہیں جانتا ہوں، میں نے اسے صرف چار یا پانچ مرتبہ دیکھا ہے، میں جانتا ہوں کہ اس میں کوئی بات ناخوش گوار نہیں ہے اور یہی میرے لئے کافی ہے، وہ ایک چھوٹے قد کی حسین اور مضبوط لڑکی ہے، تو بس یقین جان لو کہ میں برسوں ہی اک لانبی، سانولی، اور دبلی پتلی عورت کی جان و دل سے آرزو کرنے لگوں گا۔

وہ امیر نہیں ہے بلکہ اک متوسط الحال خاندان کی رکن ہے۔ یہ لڑکی مناکحت کیلئے نہایت ہی موزوں ہے۔ اس میں نہ تو کوئی ظاہری نقص ہے اور نہ کوئی غیر معمولی خصوصیت۔

اس کے متعلق لوگوں کا یہ خیال ہے کہ

مس لا جو نہایت ہی اچھی لڑکی ہے۔

کل وہی لوگ کہنے لگیں گے کہ

مادام ریمن کیسی اچھی عورت ہے،

مختصر یہ کہ وہ اس محیط طبقہ، لنسوان سے تعلق رکھتی ہے جس سے بیویوں کا انتخاب کیا جاتا ہے، پھر وہ وقت بھی آ کر رہتا ہے جب کہ انسان کو یہ پتہ چل جاتا ہے کہ وہ دنیا کی تمام دوسری عورتوں کو اس عورت پر ترجیح دیتا ہے جس نے اس کی بیوی بننے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

"تم کہو گے کہ پھر میں نے شادی ہی کیوں کی"

میں تم سے وہ حیرت انگیز اور بہ ظاہر ناممکن وجہ، جس نے مجھے اس حماقت پر تیار کیا ہے نہیں کہنا چاہتا تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مجھے اکیلے میں ڈر معلوم ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ میں کس طرح اپنا حال تم پر ظاہر کروں، یا کل باتیں تم کو سمجھاؤں لیکن میری دماغی کیفیت کچھ ایسی قابل رحم ہو گئی ہے کہ تم میری حالت پر افسوس اور مجھ سے نفرت کرو گے۔

میں اب رات کے وقت تنہا رہنا ہرگز نہیں چاہتا، میں یہ محسوس کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی میرے پاس موجود رہے اور مجھے چھوتا رہے، ایسا کوئی جو مجھ سے باتیں کرے اور کچھ نہ کچھ بولے خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو،

میری خواہش ہے کہ میں جب چاہوں اپنے بغل سے کسی کو بیدار کر سکوں اور اس سے چند برجستہ سوال کر سکوں گو وہ سوال کتنا ہی مہمل کیوں نہ ہو، تاکہ میں انسانی آواز سن سکوں اور یہ محسوس کروں کہ کوئی جیتی جاگتی روح میرے آس پاس موجود ہے۔ ایسی کہ جس کی عقل سلامت ہو، تاکہ جب میں جلد جلد موم بتی جلاؤں تو میں کسی انسان کی صورت اپنے بغل میں دیکھ سکوں کیونکہ مجھے اس بات کا اقرار کرتے ہوئے شرم آتی ہے کہ میں تنہا رہنے میں ڈرتا ہوں!

آہ، تم نے ابھی تک میرا مدعا نہیں سمجھا۔

مجھے کسی خطرہ کا خوف نہیں ہے، اگر کوئی آدمی میرے کمرے میں گھس آئے تو میں اسے بلا پس و پیش مار ڈالوں، میں بھوت سے بھی نہیں ڈرتا اور نہ غیر مرئی چیزوں پر اعتقاد رکھتا ہوں، میں مردوں سے بھی نہیں ڈرتا میں یہ دہ دنیا سے مفقود ہو جانے والی ہر شے کے فنا کا قائل ہوں۔

ہاں تو اب یہ کہنا ناگزیر ہو گیا کہ میں خود اپنی ذات سے خائف ہوں لامعلوم خوف کے وحشت ناک جذبات سے خائف ہوں،

تمہارا جی چاہے تو تم ہنسو لیکن یہ ایک بلا ہے جس میں میں پھنس گیا ہوں۔ میں دیواروں سے خوفزدہ ہوں، روزمرہ کی جانی ہوئی چیزوں سے خائف ہوں، میرا خیال ہے کہ ان میں کسی حیوانی زندگی کی روح حلول کر گئی ہے۔ مزید برآں میں اپنے خوفناک خیالات اور اپنی عقل سے بھی جس کو کوئی لامعلوم اور پوشیدہ تکلیف مجھ سے جدا کرتی ہوئی نظر

آتی ہے۔ ڈرتا ہوں۔

پہلے میں اپنے دماغ میں اک مبہم سی بے چینی محسوس کرتا ہوں، جس سے ہمارے سارے جسم میں کپکپی پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر میں ادھر ادھر دیکھتا ہوں لیکن کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ میری خواہش ہوتی ہے کہ وہاں کوئی شے جامد، مجسم خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو موجود ہوتی، آہ، میں صرف اس لئے ڈرا ہوا ہوں کہ میں اپنے خوف کو خود بھی کچھ نہیں سمجھ سکتا۔

اگر میں بولتا ہوں تو مجھے اپنی آواز سے ڈر معلوم ہوتا ہے، اگر میں۔۔۔

اگر میں ٹہلتا ہوں تو مجھکو پتہ نہیں چلتا کہ دروازہ کے پیچھے پردہ کی آڑ، الماری کے اندر، پلنگ کے نیچے کی کون سی چیز سے ڈر رہا ہوں، حالانکہ میں یہ بھی خوب جانتا ہوں کہ وہاں کہیں بھی کوئی چیز نہیں ہے، پھر میں دفعتاً گھوم کر دیکھتا ہوں کیوں کہ میں اس شے سے خائف ہوں جو کہ میرے پیچھے موجود ہے حالانکہ وہاں کچھ بھی نہیں ہے اور یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں،

میں متوحش ہو جاتا ہوں اور یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرا ڈر بڑھتا جاتا ہے، اس لئے میں خود کو اپنے کمرے میں بند کر لیتا ہوں، پھر بستر پہ جا کر کپڑوں میں روپوش ہو جاتا ہوں اور گیند کی طرح گول مول ہو جاتا ہوں، اپنی آنکھیں بھی خوف سے بند کر لیتا ہوں اور اسی طرح بہت دیر تک پڑا رہتا ہوں۔ پھر یہ یاد آتا ہے کہ پلنگ کے قریب والی میز پر شمع جل رہی ہے اسے بجھا دینا چاہئے پھر بھی میری ہمت اسے

گل کرنے کی نہیں پڑتی،،

کیوں؟ میری یہ کیفیت، میرا یہ حال، خوفناک ہے یا نہیں،؟

اس واقعہ کے قبل مجھے ایسا احساس کبھی نہ ہوا۔ میں اطمینان سے گھر آتا، اپنے کمروں میں بلا تکلف اوپر نیچے گھوما کرتا، میرا دماغی توازن قائم تھا، اگر کوئی مجھ سے کہتا کہ میں ایسے حماقت آمیز مگر ہولناک عارضہ (کیوں کہ یہ تو اچھا خاصہ عارضہ ہی ہے) میں مبتلا ہو جاؤں گا، تو میں قہقہہ مار کر ہنس دیتا، اندھیرے میں دروازہ کھولتے ہوئے میں پہلے کبھی ڈرا نہیں، میں دروازہ بند کئے بغیر اطمینان سے پلنگ پہ سونے کیلئے چلا جاتا اور پھر کبھی آدھی رات کو یہ دیکھنے کے لئے کہ تمام چیزیں ٹھکانے سے بند ہیں، اٹھتا تک نہیں۔

سال گذشتہ جاڑے کی اک مرطوب رات کو اک انوکھے طریقہ پر اس کا تجربہ مجھکو ہوا۔ کھانے کے بعد جب خدمتگار ہمارے کمرے سے چلے گئے تو میں یہ سوچنے لگا کہ کیا کروں، تھوڑی دیر تک کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہلا کیا، میں بلا وجہ کچھ تھکا ہوا معلوم ہوتا تھا نہ کوئی کام کرنے کی ہمت تھی اور نہ کچھ پڑھنے ہی کی خواہش ہوتی تھی، بارش ہو رہی تھی، مگر میں مغموم تھا، اور اس غم انگیز کیفیت کا شکار تھا جس کا تقاضا بلا وجہ یہ تھا کہ میں چیخ کر روؤں یا کچھ باتیں کروں۔ خواہ وہ کسی سے بھی ہو، تاکہ اس مضمحل کرنے والے خیال سے چھٹکارا حاصل ہو۔

میں نے محسوس کیا کہ میں تنہا ہوں۔ میرا کمرہ مجھے ایسا سنسان معلوم ہوا،

جیسا اس سے پہلے کبھی نہیں معلوم ہوا تھا، میں تنہائی کے لامحدود اور محیط جذبات میں گھرا ہوا تھا، آخر چارۂ کار کیا تھا، ہم میں بیٹھ گیا۔ لیکن اک قسم کی اعصابی بے چینی میں نے اپنے پاؤں میں محسوس کی اور کھڑا ہو گیا۔ پھر ٹہلنے لگا میں نے اپنے جسم میں حرارت محسوس کی، کیونکہ میرے دونوں ہاتھ جل رہے تھے میں ان کو پیٹھ کی جانب کمر پر رکھے ہوئے تھا جیسا کہ آہستہ آہستہ ٹہلنے کے وقت انسان کیا کرتا ہے پھر یکایک اک تھرتھری پیدا کرنے والی لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔ گویا مجھے لرزہ آگیا میں نے خیال کیا کہ شاید باہر کی مرطوب ہوا میرے کمرے میں گھس آئی ہے۔ اس سال میں نے پہلی مرتبہ کمرے میں آگ روشن کی، اور آگ کے شعلوں کو دیکھنے لگا لیکن مجھے فوراً ہی محسوس ہوا کہ میں خاموش نہیں بیٹھ سکتا میں باہر جانے کا ارادہ سے اٹھ کھڑا ہوا، تاکہ اپنے حواس قائم کرسکوں اور کسی دوست کو ساتھی بنانے کے لئے ڈھونڈ نکالوں، کسی سے ملاقات نہیں ہوئی، اس لئے پارک کی طرف نکل گیا، تاکہ وہاں کسی ملاقاتی سے مڈبھیڑ ہو جائے۔

ہر جگہ خاموشی ہی خاموشی تھی، بھیگی ہوئی روشنیں، گیس کی روشنی میں چمک رہی تھیں، اور بارش کی پھواروں کے کثیف وہ اجزے جن کا نشان کافی طور پر گلیوں میں موجود تھا، روشنی کو مدھم کر رہے تھے۔

میں اپنے دل میں یہ کہتا ہوا کہ کیا کوئی ایک متنفس بھی بات چیت کرنے کو نہ ملے گا آگے بڑھ گیا۔

میں نے ہوٹلوں اور قہوہ خانوں میں تاک جھانک کی، اور بہت سے افسردہ لوگوں کو میز پر بیٹھے ہوئے پایا جن میں بظاہر اتنی سکت بھی باقی نہ رہی تھی کہ وہ اپنے منگوائے ہوئے ناشتہ کو ختم کر سکیں۔

بہت دیر تک میں بلا وجہ مارا مارا پھرا اور بعض شب کے قریب گھر کی طرف لوٹا میں خاموش اور بہت ہی تھکا ہوا تھا، میرے دربان نے خلاف معمول، دروازہ فوراً کھول دیا۔ مجھے گمان ہوا کہ کوئی دوسرا مسافر شب باشی کے لئے آیا ہے۔

میں جب باہر جاتا ہوں تو ہمیشہ اپنے کمرے میں دوہرا تالا دیدیتا ہوں، واپسی پر کمرے کا دروازہ مجھے محض بھیڑا ہوا پایا، مجھے تعجب ہوا، لیکن میں نے تصور کر لیا کہ میری غیبت میں شاید کوئی خط میرے نام کا آیا ہو۔

میں اندر گیا، آگ روشن پائی جس سے کمرے میں کچھ روشنی تھی شمع اٹھاتے وقت میں نے کسی شخص کو اپنی آرام کرسی پر پیٹھ ٹیکے ہوئے آتش دان کے نزدیک پیر گرماتے ہوئے بیٹھا پایا۔

مجھے ذرہ برابر بھی خوف نہ ہوا۔ فطری طور پر میں نے یہ خیال کیا کہ کوئی دوست یا آشنا مجھ سے ملنے آیا ہے، دربان کو میرے باہر جانے کی اطلاع تھی، غالباً اسی نے اپنی کنجی اسے دیدی تھی، لیکن ساتھ ہی ساتھ واپسی کے وقت کے کل حالات مجھے یاد آ گئے، کس طرح گلی کا دروازہ فوراً کھل گیا، اور کس طرح میں نے اپنے مقفل دروازہ کو بند نہیں بلکہ محض بھیڑا ہوا پایا۔

میں اپنے دوست کا صرف سر ہی دیکھ سکتا تھا۔ غالباً میرا انتظار کرتے کرتے وہ سو گیا تھا۔ میں اسے جگانے کے لئے نزدیک گیا۔ میں نے اس کا نہایت ہی واضح طور پر مشاہدہ کیا، اس کا داہنا ہاتھ نیچے لٹک رہا تھا، اور وہ پاؤں پر پاؤں رکھے ہوئے تھا، اس کا سر آرام کرسی کے بائیں جانب جھکا ہوا تھا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سو گیا ہے۔ میں نے اپنے دل سے پوچھا، آخر یہ کون ہو سکتا ہے چونکہ کمرا ذرا تاریک تھا اس لئے میں اُسے صاف صاف پہچان نہیں سکتا تھا میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کے شانے کو چھونا چاہا۔ میرا ہاتھ کرسی کی پشت سے جا لگا۔ لیکن وہاں کوئی بھی نہ تھا، کرسی خالی تھی،!

میرا دل دھڑک گیا اور میں خوف سے اچھل پڑا، لمحہ بھر کے لئے میں پیچھے سرک گیا گویا کوئی خوفناک خطرہ دفعتاً میری راہ میں حائل ہو گیا تھا۔ پھر کسی باطنی جذبے سے متاثر ہو کر میں آرام کرسی کو غور سے دیکھنے کے لئے آگے بڑھا میں نے دیکھا اور سیدھا کھڑا رہا، خوف نے میرے جسم میں کپکپی پیدا کر دی اور میں ایسا حواس باختہ ہوا کہ اپنے خیالات کو اکٹھا نہ کر سکا، میں بیہوش ہو کر زمین پر گر چلا تھا لیکن میں ایک قوی دل کا آدمی ہوں، میں نے اپنے حواس قائم کر لئے۔ میں نے خیال کیا کہ یہ محض نظر کا دھوکا ہے، اور میں نے اس عجیب مشاہدہ کے متعلق فوراً غور کرنا شروع کیا، ایسے موقعوں پر خیالات، بڑی تیزی کے ساتھ دوڑ لگایا کرتے ہیں سیجی بات یہ تھی کہ مجھے دھوکا ہوا، میرا دماغ بالکل صاف تھا، اور میری

قوت استدلال درست اور صحیح میرے دماغ میں کوئی خلل نہ تھا، صرف میری آنکھوں نے دھوکہ کھایا تھا، انھیں کوئی ایسا منظر نظر آیا جو کہ سادہ لوحوں کو خرق عادت کا یقین دلاتا ہے، غالباً آنکھوں کی پتلیوں کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے تھے یا شاید آنکھیں کچھ گدلا گئی تھیں۔

میں نے موم بتی جلائی، مگر جب میں شمع روشن کرنے کے لئے آگ پر جھکا تو میں نے محسوس کیا کہ میں کانپ رہا ہوں میں فوراً اچک کر سیدھا ہو گیا گویا کسی نے مجھے پیچھے سے ٹہوکا دیا ہو۔

حقیقت میں میرے حواس ٹھکانے نہ تھے،

میں کچھ دیر تک ادھر ادھر ٹہلتا اور گنگناتا رہا۔

پھر میں نے دروازہ کو مقفل کر دیا۔ اور کچھ مطمئن سا ہو گیا، اب تو کوئی اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا،

میں پھر بیٹھ گیا۔ اور اپنے مشاہدات پر بہت دیر تک غور کرتا رہا، پھر پلنگ پر گیا اور روشنی گل کر دی۔

چند منٹ تک تو بہت باتیں درست تھیں، میں اپنے بستر پر خاموش پڑا رہا لیکن میرے دل میں پھر ایک غیر معمولی خواہش کمرے کے ارد گرد دیکھنے کی ہوئی اور میں نے کروٹ بدلی،

آتش دان میں آگ گویا ختم ہو چکی تھی، چند روشن چنگاریاں اک ملگی

سی روشنی کرسی کے آس پاس ڈال رہی تھیں، جہاں اپنے خیال میں میں نے اس شخص کو پھر بیٹھا ہوا پایا۔

میں نے فوراً دیا سلائی جلائی مجھے پھر دھوکا ہوا کیونکہ وہاں کوئی نہ تھا۔ تاہم میں اٹھا اور کرسی کو اپنے پلنگ کے نیچے چھپا دیا۔ اور سونے کی کوشش کی، اب کمرا بالکل تاریک تھا لیکن پانچ منٹ کے لئے بھی نیند نہ آئی، میں اپنے کو فراموش نہ کر سکا میں نے خواب میں بھی وہ تمام منظر اسی وضاحت کے ساتھ دیکھا، میں چونک کر جاگ گیا۔ اور شمع روشن کر کے پلنگ پر بیٹھ گیا، میری ہمت پھر سونے یا سونے کی کوشش کرنے کی نہ پڑی۔

دو مرتبہ نیند نے میرے ارادہ کے خلاف مجھے آ لیا۔ اور دونوں مرتبہ میں نے وہی سماں دیکھا، یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ مجھے جنون ہو رہا ہے۔ لیکن جب صبح کی روشنی نمودار ہوئی تو میں نے سمجھا کہ میں اچھا ہو گیا، اور دوپہر تک چین سے سوتا رہا۔ یہ تمام باتیں گزری ہو گئیں، غالباً مجھے اندرونی بخار تھا، جس کی علامت میں میں بڑے بڑے خواب اور نہ معلوم کیا کیا کچھ دیکھا کیا۔ میں کچھ بیمار ضرور تھا۔ لیکن پھر بھی مجھے اپنی حماقت صاف صاف نظر آ رہی تھی،

اس دن کی شام کا ذکر ہے میں نے اچھی طرح سے لوٹا ہوٹل میں کھانا کھایا۔ بھیلیچھر گیا۔ رات گئے گھر واپس چلا، لیکن جوں جوں گھر سے قریب ہوتا گیا میں ایک عجیب بے چینی کا جذبہ اپنے اندر محسوس کرنے لگا۔ مجھے ڈر پیدا ہونے لگا کہ کہیں

وہ" پھر دکھائی نہ دے، میں اس سے نہیں ڈرتا تھا اور نہ اس کی موجودگی سے، کیونکہ مجھے اس کے وجود کا اعتبار نہ تھا، لیکن پھر دھوکا کھا جانے پر خائف تھا، کسی تازہ شعبدہ سے ڈر رہا تھا، ڈر رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خوف پھر مجھ پر اپنا تسلط جمالے گھنٹہ بھر سے زیادہ میں رستوں پر چکر لگاتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے اپنی حماقت سراسر نظر آنے لگی، اب میں گھر کی طرف لوٹا، میں ایسا ہانپ رہا تھا کہ بمشکل سے سیڑھیوں پر چڑھ سکا۔ کوئی دس منٹ تک دروازہ کے باہر کھڑا رہا، پھر یک بہ یک میں نے ہمت کرکے اپنے کو سنبھالا، کنجی کو تالے میں ڈال کر دروازہ کھولا، اور ایک جلتی ہوئی شمع ہاتھ میں لیکر اندر گیا، اپنی خوابگاہ کے نیم وا دروازے کو ٹھوکر سے کشادہ کیا اور ایک سہمی ہوئی نگاہ آتش دان کی جانب دوڑائی، آہ! ہاں کچھ بھی نہ تھا۔

میرے اطمینان اور خوشی کی کچھ نہ پوچھو، گویا مجھے خوف سے نجات مل گئی، میں نے دھڑک تیزی اور دلیری کے ساتھ ادھر ادھر ٹہلا کیا لیکن پھر بھی مجھے سکون کامل نہ تھا، میں اچک اچک کر ہر چہار جانب دیکھتا رہا۔ دیوار و در کا سایہ تک مجھے مضطرب کر دیتا،

میں سویا مگر بے چین سویا، برابر خیالی آوازوں سے ڈرتا رہا، لیکن میں نے اس کو نہیں دیکھا، نہیں اب وہ کبھی دکھائی نہیں دیگا۔

اسی زمانہ سے میں گھر میں تنہا رہنے سے ڈرتا ہوں، میں محسوس کرتا ہوں کہ

وہ "ہیولیٰ" وہاں موجود ہے۔ میرے نزدیک میرے ارد گرد موجود ہے، لیکن اب وہ میرے آمنے سامنے نہیں آتا، آئے بھی تو کیا۔ مجھے اس کے وجود کا یقین ہی نہیں ہے، میں جانتا ہوں کہ وہ محض دھوکا ہے۔

پھر بھی وہ مجھے پریشان کرتا رہتا ہے۔ اس کا خیال ہمیشہ لگا رہتا ہے۔

وہ اس کا لٹکتا ہوا اپنا بازو، وہ اس کا کسی سوئے ہوئے آدمی کی طرح جھکا ہوا سر۔

بس، بس، خدا کے لئے بس، میں اب اس کا خیال بھی کرنا نہیں چاہتا لیکن آخر یہ خیال میرے دماغ میں اس سختی سے کیوں جاگزیں ہے؟ اس کے پاؤں آگ کے نزدیک تھے۔

میں ضرور اس کے آسیب میں گھرا ہوا ہوں، یہ حماقت کی بات ہے، مگر ہے، ایسا ہی 'وہ' کون اور کیا ہے؟

میں یہ خوب جانتا ہوں کہ اس کا وجود میرے کمزور دماغ، میرے خوف میرے خیالی کارناموں کے سوا اور کہیں نہیں ہے۔ خیر، بہت ہوا،

اپنے دل سے بحث کرنا بہت آسان ہے، اپنے کو سخت بنا لینا بھی ممکن ہے لیکن میں گھر پر رہ نہیں سکتا، کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ "وہ" وہاں موجود ہے، میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اب میں دوبارہ اسے نہیں دیکھوں گا، وہ منظر ختم ہو چکا، تو بھی وہ میرے خیال میں جاگزیں ہے، وہ غائب رہتا ہے، لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہے کہ وہ وہاں موجود نہیں

ہے۔ وہ دروازوں کے عقب میں ہے، بند الماریوں، کے اندر ہے، پلنگ کے نیچے ہے اور ہر ایک تاریک گوشے میں ہے، اگر میں، دروازہ یا الماری کو کھولوں، شمع سے پلنگ کے نیچے دیکھوں، یا تاریک کونوں میں روشنی سے دیکھوں تو وہ، وہاں نہیں ہے، لیکن مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ میرے پیچھے پیچھے ہے اور میں گھوم کر دیکھتا ہوں، میں خوب جانتا ہوں کہ میں اس کو نہیں دیکھوں گا کبھی نہیں دیکھوں گا۔ باوجود اس کے یقیناً وہ میرے پس پشت موجود ہے۔

یہ حس حماقت آمیز ضرور ہے، مگر ہے خوفناک، لیکن میں کروں تو کیا کروں، میں بے بس ہوں لاچار ہوں،

مجھے یقین ہے کہ اگر ہم دو آدمی اکٹھا رہیں، تو وہاں "وہ" ہرگز نہیں رہ سکتا، وہ یہاں اس لئے رہتا ہے چوں کہ میں تنہا ہوں، محض اس لئے کہ میں تن تنہا ہوں۔

# "شہر خموشاں میں"

جوزف بارڈن نے اپنے چند خاص دوستوں کو رات کے کھانے پر بلایا۔
وہ اک ناکتخدا، زندہ دل آدمی تھا۔ لیکن فطرتاً بدچلن اور آوارہ نہ تھا۔ اس کی تجسس
پسند طبیعت میں حیرت ناآشنگی پوشیدہ تھی اس کی عمر چالیس سے بھی کم تھی، مذاق
اس کی گھٹی میں تھا، باخبر ضرور تھا لیکن کسی خاص صنف میں اسے ید طولیٰ نہ تھا۔
ہوشیار بھی تھا، لیکن اس کی ہوشیاری میں گہرائی نہ تھی۔ جب کبھی بھی اس کے احباب
ڈنر پر مدعو ہوتے تو وہ جوزف سے ضرور کوئی نہ کوئی دلچسپ کہانی سننے کے مشتاق
رہتے۔

حسب معمول آج کی رات بھی اپنی کہنی میز پر ٹیکے ہوئے، پورٹ کا آدھا خالی
گلاس بغل میں رکھے ہوئے، تمباکو کا دھواں فضا میں اڑاتے ہوئے اس نے اپنی حکایت
یوں شروع کی۔

وسط ستمبر میں ایک دن بغیر سوچے سمجھے ہوئے کہ کیا کرنے جا رہا ہوں میں اپنے

کمرے سے باہر نکلا پھر بھی یہ خیال تھا کہ کہیں بھی نکل جاؤں، کسی غیر متوقع مقام ہی پر سہی پیرس جیسے شہر میں یقیناً کوئی نہ کوئی دل چسپی کا سامان ضرور نکل آئے گا۔

آخر کار محض تبادلہ مقام کی غرض سے میں نے مونٹ مارٹرے کے قبرستان میں جانے کا ارادہ کیا۔ بات یہ تھی کہ میں پیرس کی کھوے سے کھوا چھلنے والی آبادی اور باتونی عورتوں کی بڑبڑاہٹ سے کچھ گھبرا سا گیا تھا۔ مجھے تنہائی اور سکون کی تلاش تھی، پھر اس مقبرے میں وہ عورت آرام کر رہی تھی جس کو میں کبھی پیار کیا کرتا تھا اور جس کا خیال مجھے اب بھی ستایا کرتا تھا مجھے حیرت کے ساتھ اس بات کی فکر تھی کہ اس زمین دوز آبادی، اس شہر خموشاں کی صورت حال کیا ہے۔

وہاں داخل ہوتے ہی، سکون اور خاموشی کی فضا نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔ موسم سرما کی شروع فصل تھی۔ گلاب کے پھولوں کے اوراق کے ساتھ ساتھ مرجھائی ہوئی پتیاں قبروں پر بکھری ہوئی تھیں، آفتاب کی مدھم کرن افق پر چمک رہی تھی، اور شام کی ہوا سرد اور تیز تھی، قبروں کے کتابوں کا مطالعہ عموماً دل پسند ہوتا ہے میں نے انھیں پڑھنا شروع کیا۔ ان میں اکثر کتابے تو سنجیدہ مذاق سے گرے ہوئے تھے۔ کچھ تو واہیات قسم کے تھے، اور چند بہت اچھے اور رفیع تھے، پڑھتا ہوا میں اپنی محبوبہ کے قبر کے پاس ہو چا، میرے خیال میں اُس کا حسن اس کی آنکھوں کی چمک اس کے جلد بدن کی مرمریت دوڑ گئی۔

کاش میں اس قبر کو کھول کر دیکھ سکتا کہ اب اس کا عالم کیا ہے۔!

میں کوئی پندرہ منٹ تک وہاں ٹھہرا رہا، دریائے خیال میں غرق ٹھہرا رہا میں
لوٹنے والا ہی تھا کہ میری نظر ایک عورت پر جا پڑی، وہ گہرا ماتمی لباس پہنے تھی،
اور ایک قبر کے پاس، مجھ سے کچھ ہی دور پر، دو زانو بیٹھی ہوئی تھی، کریپ کے باریک
نقاب کے اندر اس کے سنہری بال چمک رہے تھے۔ اور کانوں کے لووں اور پیشانی پر بکھرے
ہوئے تھے، میں ٹھٹھک کر رہ گیا،

اس پر یقیناً سخت مصیبت آپڑی تھی، وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے مونہہ کو
چھپائے، بے حس و حرکت دو زانو بیٹھی ہوئی تھی گویا ایک لاش دوسری لاش پر جھکی تھی،
دفعتہ اس نے اک ایسی بے بسی کے ساتھ چیخ کر رونا شروع کیا کہ مجھ میں اسے دیکھنے کی
تاب نہ رہی اور میں نے اپنا مونہہ پھیر لیا، پھر جو میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ بیہوش تھی،
میں دوڑ کر نزدیک پہونچا اور اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس شغل
میں بھی، میں اس کتبے کو پڑھے بغیر نہ رہ سکا، جس پر یہ لکھا تھا۔

لوئس تھیوڈور کیرل کپتان بحریہ یہاں دفن ہے، جس نے اپنے ملک کی خاطر
ٹونکن میں جان دی، اس کے لئے دعا کرو۔

مجھے یہ بھی پتہ چل گیا کہ وہ صرف چند ماہ قبل فوت ہوا ہے۔ اس عورت کی مصیبت پر مجھے
نہایت افسوس ہوا، میری توجہ اس کی جانب دہ گنی ہو گئی۔

جب وہ ہوش میں آگئی تو اس نے میری خدمات کا شکریہ بار بار ادا کیا اور باتوں
باتوں میں یہ بھی کہہ دیا کہ وہ اس افسر کی بیوہ ہے جس کی شادی کا سنگ بنیاد عشق کا

ست گزار رہتا تھا، اور اب وہ بالکل بے سہارا تھی کیوں کہ اس کے والدین کا بھی انتقال ہو گیا تھا
میں نے حتی الوسع اس کو کافی تسلی دی اور اس مقام سے اسے علیحدہ لیجا کر کہا۔
آپ یہاں نہ ٹھہرئیے بس میرے ساتھ چلیے۔
مگر میں تو مشکل سے اپنے قدم بھی اٹھا سکتی ہوں۔
تو میں آپ کی مدد کروں گا۔
شکریہ، آپ تو بڑے مہربان ہیں۔ شاید آپ بھی یہاں کسی کا غم منانے آئے تھے۔
جی ہاں
کسی عورت کا۔
ہاں۔
کیا اپنی بیوی کا۔
نہیں اک عزیز دوست کا۔
قبرستان سے ہم دونوں ساتھ ہی ساتھ چلے، وہ ہمارے بازو پر اپنا بوجھ ڈالے ہوئے تھی، باہر نکل کر میں نے اس سے کسی ایسی جگہ جانے کی اجازت طلب کی جہاں اسے چائے، سینڈوچ اور کچھ آرام مل سکے، وہ راضی ہو گئی، میں اسے ایک چھوٹے سے ہوٹل میں لے گیا۔ جہاں اس نے چوزے کے سینڈوچ کے ساتھ ایک پیالی شراب آمیز چائے پی، پھر تو وہ تازہ دم ہو گئی۔ اور اپنے متعلق یوں باتیں کرنے لگی۔
غالباً آپ تنہائی کی مصیبتوں کا اندازہ نہیں کر سکتے، مجھے رات دن اکیلے

پڑے رہنا پڑتا ہے۔ اب میرا نہ کوئی چاہنے والا ہے اور نہ کوئی امین راز مجھ جیسی
پچیس برس کی جوان عورت کے لئے ایسی بے بسی سخت دردناک ہے۔

جب وہ اپنی گفتگو ختم کر چکی تو میں نے کہا کہ للّٰہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں
آپ کو ٹیکسی میں گھر تک پہونچادوں اس نے کوئی انکار نہیں کیا۔

میں اس بات کا اقرار ضرور کروں گا کہ موٹر کی یہ گشت میرے لئے بڑی خوشگوار
تھی حسینہ کئی وجہوں سے میری دلچسپی کا باعث ہو گئی۔ اور میں اس کی قربت میں اک
خاص لذت محسوس کرنے لگا سچی بات تو یہ ہے کہ جب ٹیکسی اس کے مکان کے پاس ٹھہری
تو مجھے نہایت افسوس ہوا۔

میرے کمرے چوتھی منزل پر ہیں، کیا آپ مجھے وہاں پہونچادینے کی زحمت گوارا
کریں گے،، اس نے کہا۔

ہم دونوں آہستہ آہستہ اوپر چڑھے، چوتھی منزل پر پہونچ کر اس نے مجھ سے
اندر آنے اور چند منٹ آرام کرنے کی التجا کی۔

میں اندر داخل ہو گیا۔

اس کے کمرے گو سادگی اور کفایت شعاری کا نمونہ تھے، لیکن تھے بڑے
صاف ستھرے۔ ہم دونوں ایک صوفہ پر پہلو بہ پہلو بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ اس نے
مجھے شراب اور کیک بڑھائے۔

اپنی ٹوپی اس نے اتار رکھی تھی۔ وہ مجھے ننگے سر اور بھی حسین اور جاذب نظر

معلوم ہوئی۔

پھر اس نے اپنی قیامت خیز نیلگوں آنکھیں میری آنکھوں میں ڈال کر مجھے گھورنا شروع کیا۔

اب مجھ میں تاب ضبط نہ رہی تھی اُسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ کر پاگل، ترے پاگل کی طرح اس کے بوسے متواتر بوسے لینے لگا، وہ مجھ سے علیحدہ ہونے کے لئے تڑپی اور تلملائی، میں نے اس کی آنکھیں چومیں اس کے دھن کے بوسے لئے، پھر میں نے جو کچھ چاہا کیا ... بلکہ میرا تو خیال ہے، جو کچھ اس نے بھی چاہا، میں نے کیا،

ڈگلس کے مقتول بہادر کپتان کی روح اس وقت تڑپ گئی ہو تو تعجب نہیں ہم دونوں مغموم اور شرم آلود نگاہوں سے ایک دوسرے کو تک رہے تھے۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

بہرحال اس کے متزلزل اعصاب میں سکون پیدا کرنے کی غرض سے میں اسے ڈنر کے لئے باہر لے گیا۔

تاسف اور ندامت کی باعث پہلے تو وہ انکار کرتی رہی پھر یہ کہہ کر راضی ہوئی کہ خیر چلتی ہوں لیکن ذرا کپڑے تو بدل لوں۔ آخر ایسی بے بسی اور تنہائی کا اور دوسرا علاج ہی کیا کر سکتی ہوں،

جب وہ اپنے کمرے سے باہر نکلی تو آسمانی گون اور الماسودی زیورات میں وہ نہایت ہی حسین معلوم ہوتی تھی،

کھانا کافی لذت کے ساتھ کھایا گیا، وہ شام پین کے گلاس پر گلاس پی گئی۔ اور نہایت ہی لبشاش نظر آنے لگی،

پھر ہم دونوں اس کے قیام گاہ پر لوٹ گئے۔

مقبرے کا رومانی ارتباط کوئی تین مہینہ قائم رہا، فطرت انسانی ہے کہ وہ بہت جلد ہر چیز، خصوصاً عورتوں سے اسودہ ہو جاتا ہے کچھ دنوں کے بعد ضروری بحری سفر کا بہانہ کرکے میں اس سے علیحدہ ہو گیا۔ غالباً وہ میری کافی گرویدہ ہو گئی تھی کیونکہ اس نے مجھ سے قسم لے لی کہ میں واپس آکر فوراً ہی اس سے ملوں۔

بہت جلد مجھے دوسرا سامان دلچسپی ہاتھ آگیا۔ تقریباً ایک مہینہ گزر جانے کے بعد مقبرہ والی عورت کا خیال مجھے پھر ستانے لگا میں سوچنے لگا، کیا واقعی وہ اک چلتی پھرتی اوارہ مزاج تتلی تھی۔ یا جیسا کہ اس کا بیان تھا، سچ مچ اس نے تنہائی کے رومانی جذبات سے متاثر ہو کر اس رات کو اپنا آغوش وصل میرے لئے کشادہ کر دیا تھا۔

مونٹ مارٹے کے قبرستان میں دوبارہ جانے کا ارادہ ایک دن پھر میرے دماغ میں پیدا ہوا۔ یہ ارادہ محض حیرت آشنائی پر مبنی تھا۔ وہاں پہونچ کر میں کوئی آدھ گھنٹہ تک ادھر ادھر گھومتا رہا۔ وہاں کسی بیوہ عورت کا نشان نہ ملا، میں نے وہاں صرف ان لوگوں کو دیکھا جو کہ قبروں کے آس پاس اپنے گزشتہ غم کی یاد تازہ کر رہے تھے،

میں ٹونکن کے مقتول کپتان کے قبر پر بھی گیا، اس کی قبر پر نہ تو کوئی رونے والا تھا اور نہ اس کی قبر پر کہیں پھول ہی نظر آئے

دفعتہً مقبرے کے دوسرے جانب، لانبی پگڈنڈی کی آخری حد پر مجھے ایک جوڑا ماتمی لباس میں دکھائی دیا۔ ایک مرد اور ایک عورت جونہی وہ آگے بڑھے میں نے ان کو پہچان لیا، غضب خدا کا عورت وہی نوجوان بیوہ تھی، جو کہ چند دن قبل تک میری منظورِ نظر محبوبہ تھی،

اس نے بھی مجھے پہچان لیا اور غیرت اور ندامت سے سُرخ ہو گئی۔ میرے پاس سے گزرتے وقت اس نے مجھے معنی خیز اشارے کئے جس کا مطلب یہ تھا کہ للہ مجھے اس وقت نہ چھیڑو، ہاں بعد میں مجھ سے ملو ضرور۔

مرد کوئی پچاس سال کی عمر کا معزز شخص معلوم ہوا۔ اس کے سینے پر لیجن آف آنر کا تمغہ چمک رہا تھا، وہ عورت اس کے بازوؤں کا سہارا لئے ہوئے تھی، بالکل اسی طرح جیسا کہ وہ ایک مہینہ قبل وہ میرے بازوں پر تھی۔

میں اس سے پھر کبھی نہ ملا۔ اب مجھے پورا پتہ چل گیا کہ وہ کیا تھی، ایسے مرد جو کہ عورت کے خیال میں غرق رہتے، عورت کا غم کیا کرتے، اور عورت کی ضرورت محسوس کرتے۔ اور جن کی قوت برداشت اپنے تازہ غم کے باعث مضمحل ہوتی اس عورت کا جیتا ہوا شکار تھے،

وہ اک مردار خوار چڑیل تھی، خوفناک اور نفرت خیز، وہ اس زن بازاری سے بھی زیادہ ذلیل تھی جو کہ اپنے شکار کی فکر میں گلیوں میں ماری ماری پھرتی ہے۔

اس مرتبہ جو میں مقبرے سے تنہا واپس لوٹا تو دل ہی دل میں یہ کہے بغیر نہ رہ سکا۔

"نہ معلوم آج وہ کس کی زنِ بیوہ بنی تھی"

# جُرأت

اسٹریٹ آف کے خوب صورت شفا راہ پر ایک نوجوان آدمی مریضوں کے لیے مخصوص پہیے دار کرسی کھینچ رہا تھا، اس میں ایک حسین نوجوان عورت بیٹھی کھینچنے والا اس کا شوہر اور مشہور مصور جین شمر تھا، دونوں مغموم تھے، ان کی غموم، پتہ چلتا تھا کہ سچی خوشی اب ان سے کبھی ہم آغوش نہ ہوگی، بہانے والوں کی مسرت بے کنار جماعتوں اور جھیلوں پر اچھلتے کودتے لڑکوں کی قطار در قطار ٹولی کو وہ حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

آخر کار وہ عورت بولی۔

آؤ کچھ دیر یہیں بیٹھ جائیں۔

دوسرے سیر کرنے والے ان کو دیکھتے، اور ان ہی دونوں کے متعلق کچھ بڑبڑاتے ہوئے نکل جاتے، کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ جیسے کہ اس عورت کا کوئی پرسان حال نہ

تھا، اور چوں کہ وہ اس کے عشق میں مبتلا تھی، اس لئے ہمدردی کے خیال سے مرنے اس سے شادی کرلی، لیکن دونوں نوجوان شخص اس واقعہ پر اور ہی نقطہ خیال سے بحث کر رہے تھے،

اُن میں سے ایک نے کہا۔

میں جین سمر کو اچھی طرح جانتا ہوں، جین نے ہرگز اس سے ان وجہوں سے شادی نہیں کی، اس کی وجہ کچھ اور ہے جس کے تحت میں اکثر بیاہ ہوا کرتے ہیں۔

وہ کون سی وجہ ہے۔

یہی کہ جین احمق ہے کل مصور پاگل ہوتے ہیں قطعی پاگل ان کے زندہ مجسمے (جن کو سامنے بٹھا کر وہ تصویریں کھینچا کرتے ہیں) ہمیشہ ان پر چھاپا مارتے ہیں، ہمیشہ ان کا عریاں حسن اور ناگزیر ضرورت مصوروں کو اپنے دام میں پھنسا لیتی ہے، جہاں تک ان دونوں کا تعلق ہے، وہی پرانی کہانی تازہ ہوگئی ہے۔

کون سی کہانی!

یہی کہ وہ عورت جو چاہتی تھی اسے مل گیا۔ لیکن یہ کون جانتا ہے کہ وہ حقیقت میں اسے پیار بھی کرتی تھی یا نہیں۔ عورتیں کچھ ایسی متلون مزاج ہوتی ہیں اور ایسا گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی ہیں کہ تو یہ ہی بھلی، چالاکی، لالچ، قربانی، خواہش، نفرت اور تاسف کا یہ اک ایسا مرکب ہوتی ہیں کہ ان کی تہہ کو پہونچنا مشکل ہے، ان کی کارروائیوں میں کبھی دلی خواہش اور کبھی نری چالاکی مضمر ہوتی ہے۔ وہ کیا کرنے والی ہوتی ہیں

اس کا پتہ لگا لینا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔ لیکن جب ان کی سادہ پرکاری اور شاطری کا سراغ مل جاتا ہے تو ایسی شکست پر خود اپنی ذات سے نفرت ہو جاتی ہے، کامیابی کا سہرا خصوصاً شادی کے معاملہ میں تو ہمیشہ انھیں کے سر ہوتا ہے۔

یہ ہے کہانی سمر اور اس کے بیاہ کی حسینہ اس کا زندہ مجسمہ تھی جس کو سامنے بٹھا کر وہ تصویر کھینچتا، وہ خوب صورت، دل نواز اور جاذب نظر تھی اس کا سارا جسم حسین سڈول اور متناسب تھا، خصوصاً اس کی چھاتیاں تو غضب کی تھیں۔ ان سامانوں کے ساتھ وہ سمر کو پھانسنے کی فکر کرنے لگی، اور کامیاب بھی ہو گئی، سمر اس کے عشق میں مبتلا ہو گیا، اور خیال کرنے لگا کہ وہ اسے بے انتہا چاہتا ہے حالانکہ حقیقت یہ نہ تھی حسینہ ایک دل کش عورت تھی، وہ اسے ہر روز گویا عریاں دیکھتا اور دن دن اس کی محبت گہری ہوتی جاتی، انسان جب کسی سے محبت کرتا ہے تو سمجھنے لگتا ہے کہ وہ بغیر اس عورت کے زندہ نہیں رہ سکتا، حالانکہ یہ محض اک فریب خیال ہے اس کے قبل بھی وہ محبت کر چکا تھا۔ اور ٹھیک اسی طرح اس پہلی عورت کے لئے بھی بے چین تھا...... آخر وہ کیفیت بھی باقی نہ رہی۔

سمر یہ محسوس کرتا تھا اور اس کے ضمیر کا بھی یہی اشارہ تھا کہ حسینہ اور اس میں کوئی اتحاد قلب نہ تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ جب نفس امارہ کی پہلی ضیا ماند پڑ جائیگی تو پھر کچھ بھی باقی نہیں رہے گا...... پھر بھی وہ عورت اس کی داشتہ بن گئی۔

کیوں نہ ہو، وہ بیس سال کی دوشیزہ تھی، اس کی اداؤں میں جادو تھا۔ اس کا حسن

بیان اور برجستہ طرز گفتگو ہوت مصور کے لئے نمونہ ظرافت تھا تیرہ ہفتہ تک چین یہ بھی نہ سمجھ سکا کہ مصوروں کے اور مجسموں کی طرح وہ بھی اک معمولی عورت تھی،

گرمیوں کے لئے اس نے ایک مختصر سا بنگلہ انیڈروں میں کرایہ پر لیا۔ میں اس شام کو وہاں موجود تھا جب ان دولہوں کی زندگی کے ستار کا پہلا تار ٹوٹا۔

وہ مخصوص رات پر لطف اور معمور تھی ہم سب کے سب سیر کے لئے دریا کے کنارے گئے اور خاموش ٹہلتے رہے، عالم خیال میں کبھی ہم مافوق الفطرت کاموں کی تکمیل، لا معلوم ہستیوں کی محبت، شاعری اور عبادت خدا کا خواب دیکھ رہے تھے، یک بہ یک جوزی فائین کے منہ سے اک ہلکی سی آواز نکلی۔

اہا۔ کیا تم نے ابھی اس بڑی مچھلی کو پانی سے تڑپ کر نکلتے ہوئے دیکھا

ہاں چین نے کہا۔ حالانکہ اس کا رخ دوسری جانب تھا۔

وہ غصہ میں بولی۔

جب کہ تمہاری پشت ادھر تھی تم نے کیوں کر دیکھ لیا۔

وہ مسکرا کر بولا، سچ ہے لیکن میں اس وقت باتیں کرنی نہیں چاہتا۔ اس وقت کی فضا کچھ ایسی حسین اور دل کش ہے کہ میں اپنی توجہ دوسری طرف مبذول نہیں کر سکتا

چند لمحوں کے بعد وہ پھر بول اٹھی کل تم پیرس جا رہے ہو؟

کچھ نہیں کہہ سکتا، اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔

اس جواب نے اسے اور بھی زیادہ رنج پہونچایا۔

تم اگر یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہارے جیسی بے حس و حرکت ہستی کی معیت میں سیر کا لطف اٹھا رہی ہوں تو تمہاری صریح غلطی ہے۔

وہ خاموش رہا۔

عورتوں کی سمجھ تو الٹی ہوتی ہے اب وہ جیجی کو برانگیختہ اور رنجیدہ کرنے پر تل گئی اور ایک واہیات سی نظم ایک بے معنی سا گیت جو کہ لونڈے گلیوں میں گاتے پھرتے ہیں گانے لگی۔

خدا کے لئے کہیں چپ بھی رہو۔ اس نے کہا

وہ غصے میں بولی،

آخر چپ کیوں رہوں،

چوں کہ تم اس حسین شام کے لطف کو خاک میں ملا رہی ہو۔

بس پھر کیا تھا" وہاں اک اچھا خاصہ میدان جنگ تیار ہو گیا ناپسندیدہ اور نفرت خیز تو تو میں میں ہونے لگی۔ جیسا کہ ایسے ماحول میں اکثر ہو کرتا ہے، رونے دھونے سخت سست تک کی نوبت پہونچ گئی۔ اور طعن و تشنیع کے نشتر چبھائے جانے لگے شام کی حسین خاموشی اور سکون آفریں فضا کا دل نواز منظر مکدر ہو گیا۔

تین مہینہ کے بعد ان دونوں کی زندگی دشوار اور اجیرن ہو گئی۔ یہاں تک کہ صبح دوپہر شام کو جھگڑنا ان کی عادت میں داخل ہو گیا، پھر بھی وہ اس وقت اس سے چھٹی حاصل کرنا نہیں چاہتا تھا شاید کر بھی نہیں سکتا تھا، اسی لئے اس کی کوشش بھی نہیں

کرتا تھا،

آخر کب تک ایک دن یہ بھی ہو کر رہا جین اپنا گھر اور دوسری ذاتی چیزیں فروخت کر کے اس کی قیمت لفافہ میں ایک خط کے ساتھ بند کر کے جوزی فامین کے نام چھوڑ گیا اور میرے ساتھ رہنے کے لئے چلا آیا۔

ایک دن سہ پہر کو چار بجے کے قریب صدر دروازہ پر دستک ہوئی، میں اُسے کھولنے گیا، ایک عورت درانہ اندر گھس آئی ۔ دروازے کو زور سے ٹپک کر بند کر دیا اور تصویر کشی والے کمرے میں گھس گئی، وہ واپس آئی تھی،

جین اسے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا، اس عورت نے وہ لفافہ جس میں روپے تھے سمر کے پاؤں پر پھینک دیا اور ایک دھیمی مگر کرخت آواز میں بولی،

یہ ہیں تمہارے روپے مجھے ان کی حاجت نہیں۔

اس کا چہرہ زرد تھا اور وہ کانپ رہی تھی، گویا زخود رفتہ تھی ایسی حالت میں وہ اگر کوئی احمقانہ حرکت کر بیٹھتی تو تعجب نہ تھا۔ ادھر سمر بھی غصے میں چور تھا اور غالباً سخت سے سخت سزا کے لئے تیار کھڑا تھا۔

آخر تم چاہتی کیا ہو، اُس نے پوچھا۔

میں چاہتی ہوں کہ میرے ساتھ بازاری عورتوں کا سا سلوک نہ کیا جائے۔ اُس نے کہا تم مجھ پر تہمت رکھتے میری خواہش کی مجھ سے اپنے پاس رہنے کی التجائیں کی، میں نے تمہیں ہرگز نہیں بلایا، اب جب کہ میں تمہاری ہو چکی تو بس تمہارے ہی ساتھ رہونگی۔

اس نے اپنا پاؤں زمین پر پٹکتے ہوئے کہا،
تمہاری یہ جرأت کہ مجھ سے اس طرح باتیں کرو!
میں نے آگے بڑھ کر اور یہ کہہ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ کہ میں اس سے باتیں کروں گا
اور سمجھاؤں گا، لیکن یہ سب بے سود ہوا۔ میں بخشش کی خوشامدیں کیں اور پوشیدہ
دھمکیاں بھی دیں، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اور غصے میں چور تھر تھر کانپتی رہی میں
نے کچھ سوچ کر، آخر اک خوفناک اور کاری ضرب لگائی۔
میری پیاری میں خوب جانتا ہوں وکہ وہ ابھی تک تم کو پیار کرتا ہے لیکن دیکھو
وہ اب شادی کرنے جا رہا ہے۔۔۔۔ تم اب سمجھ سکتی ہو۔۔۔۔۔

وہ اس کی جانب پلٹی

تم۔۔۔۔ تم شادی۔۔۔۔ کرنے جا رہے ہو!

وہ سفید جھوٹ بول گیا۔

ہاں

وہ ایک قدم آگے بڑھ کر اس کے آمنے سامنے کھڑی ہو گئی، اور بولی۔
اگر۔۔۔ اگر یہ بات ہے۔۔۔۔ تو میں۔۔۔۔ بھی خودکشی کر لوں گی، شاتم نے
اس نے اپنا شانہ بھڑکائے ہوئے کہا، تو کر لو نہ خودکشی۔
عورت کی گھگھی بندھ گئی اس کے الفاظ غم میں ڈوبے ہوئے تھے۔
وہ رک رک کر بولی کیا۔۔۔۔ کیا کہا۔۔۔۔ تم نے۔۔۔۔ پھر تو کہو۔

ہاں ہاں میں کہتا ہوں کہ اگر تم میں ہمت ہے تو مار ڈالو اسے اپنے کو،

اس کے چہرے پر مردنی چھا گئی۔

جین دیکھو میری زخم جگر پر زیادہ کھرد نچے نہ لگاؤ ایسا کرو گے تو میں اس کھڑکی سے اپنے کو نیچے گرا دوں گی

اس نے آگے بڑھ کر کھڑکی کے دروازوں کو کشادہ کر دیا۔ اور خم ہو کر استہزائی انداز میں بولا۔

مادام، بسم اللہ۔

اس عورت نے محض لمحہ بھر کے لئے جین پر اک گہری نظر ڈالی۔

اور پھر قبل اس کے ہم سمجھیں کہ کیا واقعہ گزرا، وہ لپک کر بڑھی اور اپنے کو کھڑکی سے نیچے گرا دیا۔ جین اور میں خوف زدہ ساکت وصامت کھڑا رہا ہم میں حس وحرکت معدوم تھی،

بچاری لڑکی اوپر اٹھا لائی گئی، اس کے دونوں پاؤں ٹوٹ گئے تھے وہ تمام زندگی کے لئے اپاہج ہو گئی،

اس کا عاشق، تاسف اور شرم سے پاگل ہونے کے باوجود ایسی عدیم المثال محبت پر شاکر بھی تھا۔ اس نے جوزی فائن کو نہ صرف واپس لے لیا بلکہ اس سے شادی بھی کر لی،

یہ ہے میرے پیارے دوست، ان کی کہانی،

شام ہو گئی تھی، کرسی میں بیٹھی ہوئی عورت سردی سے کانپنے لگی اور مکان واپس جانے کی خواہش مند ہوئی۔

مصور نے کمبل کو احتیاط کے ساتھ اس کے جسم پر لپیٹ دیا۔ وہ اور اس کی بیوی پہلو بہ پہلو عیش پسندوں کی لاپروا اور جرأت آمیز نگاہوں سے گزرتے ہوئے چپ چاپ اپنے گھر چلے گئے۔
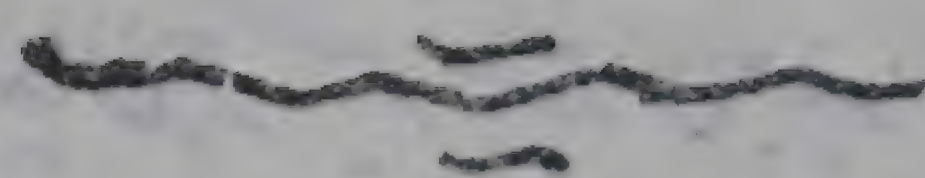
# راہب

کاپری اور ناپولی کے درمیان جو عظیم الشان میدان ہے، وہاں ایک راہب رہتا تھا جسے دیکھنے کو ہم اکثر جایا کرتے، ایسے لوگوں کی زندگی پر ہم تعجب کرتے اور ان اسباب کے متعلق بھی سوچا کرتے جن کے باعث وہ اپنے ہم جنسوں کی صحبت سے احتراز کرنے پر مجبور تھے،

ایک دن جبکہ ہم اس سے مل کر واپس آرہے تھے تو میرے ایک ساتھی نے دفعتہً یہ کہا۔

میں اپنی زندگی میں صرف دو راہبوں سے ملا، ایک مرد اور ایک عورت، عورت تو شاید ابھی زندہ ہوگی، پانچ برس قبل وہ کارسیکا کے ایک غیر آباد اور سنسان خطے میں رہا کرتی تھی، میں وہاں کبھی کبھی اس سے ملنے کے لئے جاتا، وہ بادی النظر میں کوئی اونچے طبقہ کی عورت تھی، اس کا اندازہ مجھے اس کے حسن اخلاق سے ہوا، حالانکہ اپنے متعلق وہ کبھی ایک لفظ بھی زبان پر نہ لائی اور نہ میں کچھ سمجھ سکا۔

رہا مرد تو میں تم کو اس کی غیر معمولی، کہانی سناتا ہوں، . . . . . وہ راہب وہاں جو پہاڑ کی چوٹی، جنگلی درختوں میں اٹی ہوئی دکھائی دیتی ہے، جسے "کوہ ماران" کہتے ہیں بارہ برس قبل ایک شکستہ گرجا کے کھنڈر میں رہا کرتا تھا، میں نے اس کے متعلق بہت سی باتیں سُنی تھیں۔ طبیعت میں گدگدی ہوئی، اور ایک دن صبح کو گھوڑے پر سوار ہو کر میں اس سے ملنے کے لئے گیا۔

ناپوتی میں، میں نے اپنا گھوڑا چھوڑ دیا، اور پہاڑ کی راہ پیدل طے کرنے لگا، اس دن گرمی تیز تھی اور رستہ گرد آلود تھا، لیکن وہاں کا منظر نہایت ہی حسین اور جاذب نظر تھا، جنگلی درختوں کی بھینی بھینی خوشبو سے مشام معطر ہو گیا، چھوٹی چھوٹی گلہریوں کا پتھروں سے نکل کر لانبی لانبی گھانسوں میں روپوش ہو جانا، بہت لطف دے رہا تھا، "کوہ ماران" اسم بامسمیٰ تھا میں نے وہاں بہت سے سانپ دیکھے جو گویا میرے پاؤں میں لپٹ لپٹ جاتے تھے، بلندی پر گرجا کا کھنڈر تھا،

ٹوٹی ہوئی دیوار کے پاس ایک آدمی چٹان پر بیٹھا تھا۔ اس کا سن پینتالیس سال سے زیادہ نہ تھا، اگرچہ اس کے تمام بال سفید تھے، وہ ایک بڑی بردست شفقت سے پر رہا تھا، اس نے مجھ سے کوئی اعتنا نہ کی، میں آثار قدیمہ کو گھوم گھوم کر دیکھتا رہا۔ اور کبھی کبھی ٹھہر کر اس مجرد خار کو جسے سفید شہر اور فرسودہ قلعے چاروں طرف سے احاطہ کئے ہوئے تھے اپنے ہوئے دیکھ لیتا، دور بہت دور، بلندی پر کوہ الپس سر بہ فلک کشیدہ نظر آ رہا تھا،

میں بے ساختہ چلا کر بول اٹھا، واہ! یہ مناظر کس قدر حسین ہیں۔

نہیں۔ راہب نے برجستہ کہا۔ یہ خوابیدہ مناظر تو احساس اور جذبات کے منافی ہیں۔ جب کہ تمام دن ان کے سوا اور کچھ دیکھنے میں نہیں آتا،

میں کوئی گھنٹہ بھر وہاں ٹھہرا، میرا خیال تھا کہ وہ زندگی، انسان، اور خود اپنی ذات سے بیزار تھا،

چند دنوں کے بعد میں پھر وہاں پہونچا اور اسی طرح برابر جاتا رہا؛ یہاں تک کہ کئی ہفتوں کے بعد ہم اور وہ دوست ہو گئے۔

شروع موسم بہار میں، صبح کے وقت میں کچھ کھانے کی چیزیں ساتھ لیکر پہاڑ پر گیا، ہم دونوں نے دن کا کھانا ساتھ کھایا، اس دن کا سماں نہایت ہی حسین تھا رنگین پھولوں کی خوشبو ہوا میں پرواز کر رہی تھی، ڈالیاں پھولوں سے لدی تھیں۔ وہ دن حقیقت میں ایسا نشاط آفریں تھا کہ زاہد معمر بھی محبت کا خواب دیکھنے لگتا، راہب مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا، مطمئن ہونے کے بعد میں نے اسے شراب ایک گلاس پینے پر مجبور کیا، میرا خیال تھا کہ آتش سیال کی شعلہ فشانی، اس کے خوابیدہ اور مضمحل اعصاب میں برقی رو دوڑا دے گی، میرا خیال صحیح نکلا، پیالے نے اسے شیشہ میں اتار لیا، اور وہ پیرس اور اپنی جوانی کا تذکرہ کرنے لگا۔ آخر میں نے ہمت کر کے اس سے پوچھ ہی لیا کہ وہ کیوں ایسی تنہائی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔

یہ ایک نہایت دردناک داستان ہے۔ وہ فوراً ہی بول اٹھا، مصیبتوں کا اک

ایسا جگر خراش روحانی عذاب مجھ پر نازل ہوا کہ شاید ہی کسی انسان پر نازل ہوا ہوگا میں اک مغرور سا آدمی ہوں اس لئے میں نے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا۔ مجھے ہرگز اس بات کا خوف نہیں ہے کہ لوگ مجھ سے نفرت کریں گے، اور مجھ پر آوازے کسیں گے۔

میں پیرس میں پیدا ہوا، وہیں تعلیم حاصل کی اور وہیں اچھی خاصی تنخواہ پر ملازم بھی ہو گیا، عام نوجوانوں کی طرح میں بھی مجرد کی زندگی بسر کرنے لگا۔ تم تو جانتے ہو گے کہ وہ زندگی کیا ہے، تنخواہ کی زنجیر میں اپنے کو جکڑ لینا میں نے مناسب نہیں سمجھا، میں تازہ بہ تازہ نو بہ نو لڑکیوں کو برابر حاصل کرتا رہا، مجھے اس انتخاب میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی کیوں کہ ایسی لڑکیوں کی تعداد کتنی تھی، میری زندگی کا مرکز ہوٹل اور تھیٹر تھے، میں عیاشی کے دریا میں اس طرح تیرا کرتا، جس طرح شام میں کی سطح پر بطخ تیرا کرتی ہے۔ پیرس اور لذت پر میری کامل توجہ تھی، کوئی بیس برس تک میں اک ناقابل بیان نامراد، زندگی بغیر ماں باپ، بغیر کسی سچے دوست اور بغیر بیوی کے بسر کرتا رہا،

اپنی چالیسویں سال گرہ کے دن میں پیرس کے ایک نہایت ہی دل کش اور فیشن نواز ہوٹل میں طعام شب کے لئے گیا۔

کھانے کے بعد میں حیص بیص میں تھا کہ کہاں جاؤں، کسی تھیٹر یا کسی جمن پہ کنارہ رومانی محلے میں جس کی واقفیت مجھے طالب العلمی کے زمانے سے تھی قرعہ مو خرالذکر کے نام پڑا، میں ایک چھوٹے سے خوب صورت قہوہ خانہ میں داخل ہو گیا۔ جہاں نوجوان چھو کریاں بر سر کار رہتیں۔

وہ جو میرے حصہ میں آئی، نہایت ہی حسین اور نوجوان تھی، میں نے فوراً ہی اُسے شراب کی دعوت دی اس نے نہایت خوشی سے قبول کیا۔ اور میرے پاس بیٹھ کر، مئے ارغوانی، گھونٹ گھونٹ پینے لگی، پھر اپنی متبسم اور مشتاق نگاہوں سے میرا جائزہ لینے لگی، وہ گوری شگفتہ اور گدازتھی، میں نے حسب دستور اس سے فضول اور مہمل باتیں کیں اور بنے تلے بے معنی لفظوں میں اس کے حسن کی تعریف کی، میں نے اُسے کھانے پر بلایا۔ اور وہ راضی ہو گئی۔

اس تفصیل کو معاف کرنا...... بات یہ ہے کہ انسان کو جب تک محبت، سچی اور حقیقی محبت کا مزہ نہیں ملتا، وہ ہمیشہ عورتوں کا انتخاب ٹھیک اسی طرح کرتا ہے۔ جس طرح کٹلٹ اور مٹن چاپ کا''

میں پھر اس کے ساتھ ہی اس کے گھر گیا۔ وہ دو چھوٹے چھوٹے کمروں کی مالکہ تھی اکمرے معمولی طور پر مگر صفائی کے ساتھ آراستہ تھے، میں نے کامل دو گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے وہاں بسر کیئے، وہ غیر معمولی طور پر دل کش اور لذیذ تھی،

چلتے وقت میں اپنا ناچیز پیش کش، میز پر رکھنے والا تھا کہ میری نظر یک بیک دو پرانی دھندھلی تصویروں پر جا پڑی، میں انھیں محض استعجاب سے جھک کر دیکھنے لگا، تم میری حیرت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ ان میں سے ایک تصویر میری تھی جو میں نے اپنی تعلیم کے زمانہ میں کھینچوائی تھی،

میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا، یہ کون صاحب ہیں۔

اس نے مجھے گہری نظر سے دیکھا!

یہ میرے باپ کی تصویر ہے، وہ بولی، میں نے اپنے باپ کو تو دیکھا نہیں ہے لیکن میری ماں نے مرتے وقت، اس کو حفاظت سے رکھنے کی تاکید کی تھی، میری ماں کا خیال تھا کہ یہ میرے لئے مفید ہوگی، لیکن اس نے ہنس کر کہا، میں تو سمجھتی ہوں کہ وہ مجھے ڈھونڈ نکالنے کی کبھی بھی فکر نہ کرے گا۔

میرا کلیجہ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے والا تھا۔ میں نے پانچ پونڈ کی جگہ دس پونڈ میز پر رکھ دیے...... اور پاگل کی طرح نیچے اتر کر موسلا دھار پانی میں گم ہو گیا،

میں بدحواس بھاگتا رہا۔ مجھے خبر نہ تھی کہ میں کہاں جا رہا ہوں، پھر میرے خیالات نے پلٹا کھایا اور دفعتہً مجھے یاد آیا کہ بہت زمانہ قبل ایک لڑکی نے ہماری مفارقت سے ایک مہینہ بعد مجھے یہ اطلاع کی تھی کہ وہ حمل سے تھی اور اس ہونے والے بچے کا باپ میں تھا۔ میں نے اس خط کو جلا دیا اور بھول گیا۔

میں دریا کے کنارے اک بنچ پر بیٹھ گیا۔ اور زندگی کی مصیبتوں اور تقدیر کی ستم ظریفیوں پر تبصرہ کرنے لگا...... میری لڑکی...... معاذ اللہ۔

آہ، کتنے ایسے متشابہ واقعات، پیرس میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور کتنے المیہ ڈرامے، ان بند کمروں میں کھیلے جاتے ہیں۔ میری یہ کمینہ اور ذلیل حرکت۔ ان کمینے اور ذلیل انسانوں کو بھی شرما سکتی تھی جو کہ ہمارے سامنے بنچ پر بیٹھے کانپ رہے تھے۔

.....تاہم میری ہمت دریائے سین، میں ڈوب مرنے کی نہ ہوئی۔

میں نے ایک وکیل کی مدد حاصل کی، اور اس لڑکی کو خبر کیے بغیر اس کی ساری حیات زندگی کیلئے سامان فراہم کر دئے۔ پھر میں نے نوکری چھوڑ دی...... اب میں یہاں رہتا ہوں...... یہاں رہا ہوں...... اور یہاں ہی رہوں گا۔ نہ معلوم کب تک!!

اب یہ تو کہو، تم میرے متعلق، میری حرکتوں کے متعلق کیا خیال کرتے ہو؟

میں نے جواب میں اپنے ہاتھ بڑھا دئے۔ اس نے خاموشی سے میرے ہاتھ تھام لئے، تم نے وہی کیا جو تم کو کرنا چاہئے تھا، بہت سے لوگ اس سے بھی کم کرتے، میں نے کہا۔

ہاں! میں بھی یہ جانتا ہوں، اس نے جواب دیا، لیکن اس حادثے کے بعد میں دیوانہ ہو گیا ہوں۔ مجھے یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ جتنا میں اپنے کو سمجھتا تھا اس سے کہیں زیادہ نرم دل واقع ہوا ہوں۔ اب مجھے پیرس سے نفرت ہے۔ قطعی نفرت، کیوں کہ اسی سرزمین پر تو وہ بچہ کا بچا ہے جس نے میری زندگی تلخ اور برباد کر دی،

میں راہب کی گفتگو سے حد درجہ متاثر ہو کر، وہاں سے رخصت ہو گیا اس کے بعد میں اس سے دو مرتبہ اور ملا، پھر مجبوراً مجھے جنوبی فرانس کو چھوڑ دینا پڑا۔

دوسرے سال جو میں واپس آیا تو راہب "کوہ ماران" پر نہ تھا۔

میں نے اسے پھر کبھی نہیں دیکھا۔

# قربانی

یہ واقعہ اتوار کی صبح کا ہے، جب وہ عبادت گاہ سے گھر لوٹ رہا تھا، وہ اپنے باپ کے پہلو بہ پہلو مصنوعی ناز و ادا کے ساتھ مٹکتی، آہستہ آہستہ چلی جا رہی تھی۔ اس کا باپ اک امیر کاشتکار تھا، لڑکی کے حسین پیکر اور خوبصورت ٹوپی کی بدولت جس میں شگفتہ پھول لگے ہوئے تھے۔ بلیئو اسرِٹ اس کی بناوٹ میں بھی کوئی عیب نہ نکال سکا۔

وہ دل ہی دل میں بول اٹھا، واہ کیسی حسین لڑکی ہے، حالانکہ اس کا چہرہ نظر نہیں آتا تھا، صرف اس کا جسم، اس کی ابھری ہوئی چوتڑ، اور اس کی انتہا، سے زیادہ متناسب اور گویا سانچے میں ڈھلی ہوئی پیٹھ دکھائی دے رہی تھی۔

اُسے نظر گاڑے دیر تک دیکھتا رہا جب تک کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ کھلیان کی جانب نہ لوٹی۔

اندر ہی اندر یہ محسوس کر کے کہ کوئی اُسے گھور رہا ہے وہ یکایک پلٹی اور اس کو دیکھ کر بولی

صبح مبارک بینو آسٹ۔

صبح مبارک، مس اس نے جواب میں کہا اور آگے نکل گیا۔

گھر پہنچا تو شوربہ میز پر رکھا تھا، وہ اپنی ماں کے سامنے بیٹھ گیا تو کرنے شراب انگوری کی بوتل کھولی، اس نے دو ایک چمچہ شوربہ کا پیا اور رکابی ہٹادی،

کیوں کیا ہوا، اس کی ماں نے کہا۔

مجھے بھوک نہیں ہے، وہ بولا،

وہ دفعتہً بلا سوچے سمجھے عشق میں مبتلا ہو گیا، وہ لڑکی جس کو آج کی صبح کو اس نے دیکھا تھا اس کے دماغ میں چکر لگا رہی تھی، اس گوشت کے ٹکڑے کو ذرا چکھ کر تو دیکھو بیٹا، اس کی ماں نے لجاجت سے کہا۔

بینو آسٹ میز چھوڑ کر کھڑا ہو گیا

میں یہ دیکھنے جارہا ہوں کہ کھلیان میں سب خیریت ہے یا نہیں۔ اس نے کہا باہر گائیں اطمینان اور آرام سے جگالی کر رہی تھیں، خالی چھکڑے ایک کونے اٹے ہوئے تھے، کھیت کل کی کاشت کے لئے تیار تھے، شام کی ٹھنڈی ہوا مرغزار میں محیط تھی، بینو آسٹ ایک درخت کی جڑ پر بیٹھ گیا، اور خیالات میں گم ہو گیا، وہ مغموم تو نہ تھا لیکن یہ محسوس کر رہا تھا کہ اسے کچھ ہو گیا ہے۔ حالانکہ یہ بتا نہیں سکتا تھا کہ کیا ہو گیا ہے، یہ کیفیت ستار پر ہلکے ضرب کی متواتر صدا جیسی تھی،

اس لڑکی کو پھر دیکھنے کی تمنا اس کے دل میں پیدا ہوئی اس نے محسوس کیا کہ وہ اسے

دیکھے بغیر ہرگز رہ نہیں سکتا وہ جین مارٹن کے مزرعہ کے سامنے بار بار چکر لگا تا رہا، آخر ایک دن اسے اپنے صبر کا پھل مل گیا۔ اس نے لڑکی کو کوئی کپڑا دو سیب کے درختوں میں بندھی ہوئی رسی پہ لٹکاتے ہوئے دیکھا اس دن شاید گرمی تھی، وہ ایک آدھ انگا گون، اور اک نہایت ہی مہین اور چسپت شلوکہ پہنے تھی جس کے اندر سے اس کے حسین بازو اور گداز چھاتیاں دکھائی دے رہی تھیں، اس کے چلے جانے کے بعد بھی وہ خیالات میں غرق اور منہمک کامل گھنٹہ بھر تک وہاں ٹھہرا رہا۔

اس واقعہ کے ایک مہینہ بعد تک بھی وہ اس کا نام ہی سن کر کانپ جاتا اور اس کی نیند حرام ہو جاتی اگر رستے میں اس سے مشابہ کسی ہستی کو دیکھ لیتا تو اس کے قلب کی دھڑکن شدت سے تیز ہو جاتی اور دم گھٹنے لگتا، اتوار کے دن گرجا میں عبادت کے وقت بھی وہ اسے گھورا کرتا لڑکی اپنے حسن کے اس نمایاں اثر پر نازاں اور مسرور تھی اور اسے دیکھ کر مسکرایا کرتی تھی

آخر ایک دن بات انتہا کو پہونچ گئی، لڑکی اپنے کھلیان کو جا رہی تھی کہ وہ اسے ملا، وہ ٹھہر گئی، جب وہ پاس پہونچا تو دونوں ساتھ ساتھ ٹہلنے لگے، بینوآسٹ کی گھگھی خوف سے بندھ گئی، تاہم اس نے کچھ نہ کچھ بولنے کا ارادہ مصمم کر لیا۔ پھر جزبز ہو کر بول اٹھا دیکھئے، یہ زیادہ دن تک جاری نہیں رہ سکتا۔

اس نے مسکرا کر پوچھا۔

کیا جاری نہیں رہ سکتا، بینوآسٹ،

یہی، میرا آپ کے متعلق، صبح دوپہر، شام سوچتے رہنا، اس نے کہا۔

وہ مسرت سے ہنس کر بولی،

لیکن میں تو تمہیں سوچنے کے لئے مجبور نہیں کرتی،

آپ بغیر محسوس کئے ایسا کرتی ہیں مس صاحبہ، اور میری حالت یہ ہے کہ نہ تو میں کھا سکتا ہوں، نہ سو سکتا ہوں۔ اور نہ کچھ سوچ ہی سکتا ہوں۔

تب اس نے کہا، تم کو اس سے نجات دلانے کے لئے کیا کیا جائے۔

گھبرائی ہوئی بے چین نگاہوں سے اس نے حسینہ کو گھور کر دیکھا۔ الفاظ گلو گیر ہو گئے اور وہ خوش خوش ہنستی ہوئی اپنے کھلیان کو چل دی۔

اب وہ اکثر ملتے، ساتھ ساتھ ٹہلتے اور باتیں کرتے، رستوں میں، کھیتوں میں گرجا کے محرابوں میں ملتے بینوا سٹ اسے دیوانوں کی طرح خوفناک بے صبری اور اشتیاق کے ساتھ جان و دل سے چاہنے لگا، وہ اس میں وحشیانہ شرکت غیرے محض اپنا تسلط چاہتا تھا، لوگ اکثر ان دونوں کو چھیڑا کرتے اور کہتے کہ ان کی منگنی ہو گئی ہے۔

بینوا سٹ نے ایک دن اس سے شادی کی درخواست کی، جس کو اس نے قبول بھی کر لیا، اب وہ اپنے والدین کو مطلع کرنے کے لئے محض موقع کے منتظر تھے۔

ناگہاں پانسہ پلٹ گیا، وہ اپنے ملاقات کے وعدوں کے خلاف ورزی کرنے لگی، بینوا سٹ جب کبھی بھی وہاں جاتا تو اسے کھلیان میں نہ پاتا۔

ایک دن گرجا میں پادری نے ایک اعلان شائع کیا یہ اعلان بینوا سٹ کے لئے خوفناک

اہمیت رکھتا تھا، اعلان یہ تھا۔

"وکٹوریا، اڈیلیڈ مارش کی شادی، جوزف ایبی ڈروالٹن کے ساتھ......

طے پا گئی ہے اور بہت جلد ہونے والی ہے"۔

اس خبر کو سنتے ہی بینو اسٹ نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے سارا گرجا گھر ناچ رہا تھا پھر اسے بھی معلوم ہوا کہ اس کی عبادت کی مقدس کتاب گرما گرم آنسوؤں سے تر تھی،

مہینہ بھر تک وہ گھر سے باہر نہیں نکلا۔ لیکن کب تک، آخر رفتہ رفتہ اپنے کام میں لگ گیا، پھر بھی اس کی محبت ابھی تک اس کے دل میں تھی گو اس سے سامنا کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی، وہ تمام ان رستوں سے احتیاط کرتا جو کہ حسینہ کے مکان کو جاتے،

اس نے والٹن سے جو کہ ضلع کا سب سے امیر کاشتکار تھا شادی کرلی، والٹن اور بینو آسیٹ بچپن کے دوست تھے لیکن اب وہ ایک دوسرے سے بات تک نہ کرتے تھے

ایک دن شام کو بینو اسٹ کو یہ معلوم ہوا کہ وہ امید سے تھی، رقابت اور غم کے شدید جذبات کے عوض اس کو ایک فوری احساس اطمینان قلب کا ہوا وہ محسوس کرنے لگا کہ اب اگلے تعلقات ایک دم منقطع ہو گئے اس انکشاف نے ان دونوں کو ہمیشہ کیلئے ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ ایسی قطعی علحدگی شادی کے بعد بھی نہ ہو سکتی تھی،

مہینوں گزر گئے، گاؤں میں آتے یا گاؤں سے باہر جاتے وقت بینو اسٹ اب اس کو کبھی کبھی دیکھ لیتا، وہ اب ذرا ٹھہر ٹھہر کر، بھاری بھر کم چلتی تھی، جب وہ کبھی

اسے دیکھ لیتی تو شرما کر گردن نیچی کر لیتی اور اس کی چال مدھم ہو جاتی، بینواسٹ اس سے بچنے کے لئے سڑک کو چھوڑ کر دوسری جانب نکل جاتا۔ اسے یہ ڈر ہو گیا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مڈبھیڑ ہو جائے اور باتیں کرنی پڑے، پھر بھی وہ حیرت میں تھا کہ اگر کبھی ملاقات بھی ہو گئی تو اس واقعہ کے بعد وہ ایک دوسرے سے کیا گفتگو کریں گے، یہ سچ ہے کہ اس نے اس کے ساتھ نہایت ہی شرمناک برتاؤ کیا تھا، ... بلکہ اب تو وہ اس سے کوئی بدلہ کا نہیں کر سکتا۔

کچھ زمانے کے بعد اس کا غم اک دردناک تسلیم و رضا سے بدل گیا، اب وہ کھلیان کے رستوں سے کتراتا نہیں تھا ایک دن وہ ان کے پھاٹک کی جانب سے اندر کی طرف جھانکنے لگا۔ درخت پھولوں اور پھلوں سے لدے ہوئے تھے، مطمئن جانوروں کے نغمے سننے کھلیان میں سناتا تھا کیوں کہ تمام مزدور کھیتوں میں تھے، کتا پڑا سو رہا تھا اور گائیں تالاب کی طرف جا رہی تھی۔

بینواسٹ پھاٹک کا سہارا لیکر کھڑا ہو گیا۔ وہ اندرونی جذبات سے ایسا بھرا ہوا تھا کہ اسے محسوس ہونے لگا کہ اگر وہ روئے گا تو اس کا کلیجہ پھٹ جائیگا، نا گہاں مکان کے اندر سے ایک خوفناک چیخ سنائی دی، بینواسٹ نے دونوں ہاتھوں کو ملتے ہوئے اس آواز کو سنا، پھر دوسری چیخ اتنی زیادہ لمبی اور دل ہلا دینے والی سنائی دی، کہ اس کی روح تک میں نشتر چبھونے لگی، یہ آواز اس کی تھی وہ تیزی سے لیکا صحن کو طے کیا... وہ نظر آئی، وہ مشکل سے صدر دروازہ تک پہونچی تھی کہ بینواسٹ اس کے پاس پہونچ

گیا، وہ سیڑھیوں پر تلملا کر بیٹھ گئی، اس کا چہرہ زرد اور نحیف تھا وہ دروزہ کی تکلیفوں میں مبتلا تھی، بینواسٹ بھی زرد پڑ گیا تھا اور تھر تھر کانپ رہا تھا، وہ صرف اتنا کہہ سکا

میں آگیا۔۔۔ میں آگیا، مس، — مادام

بینواسٹ کو دیکھ کر اس کے منہ سے اطمینان کی چیخ نکل گئی۔

مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔۔۔۔۔۔ مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔ بینواسٹ۔

آہ، یہ ظالم تکلیف وہ، درد، میرے جسم کے ٹکڑے اڑا رہا ہے۔

بینواسٹ کو اس وقت معلوم ہوا کہ وہ اب بھی اس کو حد سے زیادہ پیار کرتا ہے

وہ جھکا اور اُسے اپنی گود میں اٹھا کر سونے کے کمرے میں لے گیا نہایت نرمی سے اس کے کپڑے اتارے، سکون بخش اور تسلی آمیز باتیں کیں، اس کی کراہ کی شدت میں تخفیف ہوتی گئی اور چیخ بھی کم ہو گئی،

پھر نہایت نرمی اور سکون سے جس طرح اس نے اکثر جانوروں کی ایسے وقت میں مدد کی تھی نئے مولود کی پیدائش میں اس کی اعانت کی۔

پھر بچے کو غسل دیکر گرم فلالین میں لپیٹ دیا، زچہ کے بستر کو بدل دیا۔ اور نرمی سے تھپک کر گرما گرم شربت کا ایک گلاس اسے پلا دیا، وہ چپکے چپکے رونے لگی گویا اسے کسی بات کا سخت افسوس تھا،

تم بہت ہی اچھے آدمی ہو، بینواسٹ، وہ بولی۔

اس اظہار خیال پر بینواسٹ کی ساری تکلیفیں دور ہو گئیں، وہ اسے اب بھی پیار کرتا تھا

لیکن اب اس میں غم کا کوئی شائبہ نہ تھا

لڑکا ہے یا لڑکی۔ اس نے فوراً ہی پوچھا۔

نہایت ہی اچھی، ننی منی سی لڑکی، اس نے جواب دیا۔

مجھے دکھاؤ۔ بینو اسٹ۔

اس نے بچی کو گود میں اٹھا کر ٹھیک اسی احترام کے ساتھ اس کے سامنے پیش کیا جس طرح پادری کو کوئی متبرک ہدیہ پیش کرتا ہے۔

عین اسی وقت دروازہ کھلا اور جین والن اندر داخل ہوا۔

پہلے تو وہ خاموش ساکت کھڑا رہا، پھر صورت حال کو سمجھ گیا۔

میں... میں ادھر سے گذر رہا تھا، بینو اسٹ ہکلا کر بولا، اور میں نے ان کے چیخ کی آواز سنی ...... پھر اندر چلا آیا۔

یہ ہے تمہاری بچی والن۔

زچہ کے شوہر کے رخسار آنسوؤں سے تر تھے، اس نے اپنے دونوں ہاتھ بینو اسٹ کے آگے بڑھائے

اب ان کی لاج تمہارے ہاتھ ہے دوست وہ بھینچی ہوئی آواز میں بولا۔

اب ہم دونوں کو آپس کے بہت سے الجھے ہوئے معاملات کو سلجھانا ہے تم چاہو تو ہم اب ایسے اچھے دوست ہو سکتے ہیں جیسا کہ کبھی بھی نہ تھے۔ اور پچھلے دنوں میں جو کچھ گزر چکا ہے اسے ہم دونوں بھول جائیں

ہاں، بینو اسٹ نے دھیمی آواز میں جواب دیا

ہاں ہم انھیں بھول جائیں گے۔

---

# مُحبت اور ہوائے نفس

"نہیں میرے پیارے دوست، تم جو مجھ سے چاہتے ہو، اب بھولے سے بھی اس کا خیال نہ دماغ میں نہ لاؤ، اس سے میری نفرت اور بغاوت اور تیز ہوتی ہے اور یہ بھبکل گا گھناؤنی باغی اور متنفر نہیں ہوں محض بے سود ہے، میرا ایمان خدا پر ہے اس خدا پر جو حسن کا خدا ہے جس کا منشا ہرگز یہ نہیں ہے کہ خوب صورتی بد صورتی میں ممزوج کر دی جائے۔ اس نے ہم کو محبت عطا کی، وہ محبت جو کہ دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ حسین اور حیرت خیز ہے۔ اس نے انسان میں، حس کا مادہ اس لئے ودیعت کیا چونکہ انسان کو ضرورت تھی، لیکن خدا کو اس بات کا بھی علم ہے۔ کہ یہ لذت نفس مکروہ اور گھناؤنی ہے، اسی لئے اس نے یہ التزام کیا کہ مرد اور عورت، ہوائے نفس کا مظاہرہ علانیہ نہ کریں۔ بلکہ اس میں شرم جھجک اور ندامت کا لحاظ رکھیں پھر اس کی بھی تاکید کر دی کہ نفسانی کاروائیاں نظروں

سے دور، پوشیدہ طور پر برتی جائیں۔"

"خبردار اب کبھی مجھ سے۔ ایسی باتیں ہرگز نہ کرنا"

"یہ تو میں نہیں جانتی کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں، لیکن ہاں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ تمہاری صحبت میں مجھے مسرت ہوتی ہے۔ تمہاری آواز کی صدا مجھے بھلی معلوم ہوتی ہے اور تمہاری صورت کا نظارہ مجھے مرغوب ہوتا ہے، لیکن تمہاری التجاؤں میں گم ہو کر جب میرے قدم پھسلنے کے قریب ہوتے ہیں۔ تو مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں تم سے محبت نہیں بلکہ نفرت کرتی ہوں مجھے یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ دل نوازی اور مسرت کا یہ طلسم جس کی بنیاد لذت نفس پر رکھی گئی ہے۔ ضرور ٹوٹ جائے گا اور ہم ایک دوسرے کی عزت کرنا بھول جائیں گے"

اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہمارے تمہارے تعلقات سابق بدستور رہیں۔

ہاں اگر تم چاہو تو اب بھی مجھ سے پاک محبت کر سکتے ہو۔" میں اس کی اجازت دیتی ہوں۔"

"تمہاری دوست"

"جینی دیوی"

"مادام، اب میں بھی آپ کی اجازت سے، کچھ صاف صاف باتیں، بلا رو و رعایت بلا شرم و انکسار کے کہنا چاہتا ہوں، بس یہ سمجھئے کہ میں اپنے کسی جگری مرد دوست

سے جس کی عزت بھی، میری نگاہوں میں ہے، گفت و گو کر رہا ہوں،،

،، تکلف برطرف، میں بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں حقیقت میں تم سے محبت کرتا ہوں محبت کا یقین تو مجھے ،، اس ،، کے بعد ہو گا جس سے تم کو اس فادر نفرت ہے،،

،، الفریڈ ،، موسین، محبت کی ہولناک ستم سازیوں کا بیان کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ خاموش بوسوں، قوی اعصاب کے مظاہروں، دانت پیسنے اور اس کی لازمی تکلیفوں میں ایک روحانی تقدس پنہاں ہے۔ ورنہ یہ اوقات تکلیف دہ اور ناقابل برداشت ہو جاتے اور ان کے اعادہ کی جرأت نہ ہوتی،،

،، گو ظاہر میں یہ بات تعجب خیز ہے۔ مگر میں مانتا ہوں کہ ہم مردوں کو بھی ہوائے نفس سے کبھی کبھی نفرت ہو جاتی ہے اور ان اوقات میں اپنی ذات سے بھی گھن آتی ہے۔ البتہ ...... اس وقت ہوتا ہے جب کہ ہم کو کسی فاحشہ نااہل، بازاری عورت سے پالا پڑتا ہے ........ لیکن جب ہمیں ایسی عورت ملتی ہے جس سے ہم محبت کرتے ہیں۔ جس کی ہم عزت کرتے ہیں جو کہ ہماری لطف انگیز ہوتی ہے۔ تو اس وقت محبت کی تکمیل میں ایسی شیرینی ہوتی ہے جس کی حد و پایاں نہیں،،

،، یہی وقت، مادام، محبت کی کسوٹی محک الفت ہے۔ اس کے بعد اگر ہم پہلے کی طرح ایک دوسرے سے پیار اور الفت نہ کریں تو سمجھ لینا چاہئے کہ ہم کو واقعی محبت نہ تھی، لیکن اگر ہماری محبت میں اضافہ ہو جائے تو یقین کر لینا

چاہئے کہ ہم کو ایک دوسرے سے واقعی محبت ہے،،
ایک مشہور فلسفی کا قول ہے کہ فطرت ازدواج و نسل کی ترغیب دیتی ہے
اور اس کے انصرام کے لئے وہ محبت اور لذت نفس کے دوسرے دام بچھاتی ہے۔ جب
ہم ان داموں میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور وقتی جنون زائل ہو جاتا ہے تو ہم پر ایک
گہرا غم چھا جاتا ہے، اور اپنا ذاتی اقتدار کھونے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ ہم اسی عظیم
قوت کے ایک محض حقیر آلہ کار تھے۔ ہم ہار مان جاتے ہیں، اور کسی کے کشادہ
آغوش میں وصل ہو جاتے ہیں۔ نہ اس وجہ سے کہ ہم ایک دوسرے کو چاہتے
ہیں بلکہ اس لئے کہ فطرت کا تقاضا یہی ہے،،
"بلکہ میں یہ مانتا ہوں کہ یہ باتیں نہایت بری ہیں، ان لبوں کے بوسے سرگرمی
سے لینا جن سے کوئی خاص دلچسپی نہ ہو اور آتشیں نگاہوں سے ایسی عورتوں
کو دیکھنا جن کو دوبارہ دیکھنے کی کوئی امید نہ ہو۔ اک نہایت ہی ذلیل حرکت
ہے۔ ........ لیکن جب کہ وہی لذت نفس ایسی دو ذی حیات ہستیوں کو اکٹھا
کر دیتی ہے، جو ایک دوسرے کے متعلق شب و روز لگاتار سوچتی رہتی ہیں۔ اور
جو غائبانہ بھی ایک دوسرے کی آواز تبسم اور موجودگی کا خیال کرتی رہتی ہیں۔
........ تو اس سے زیادہ فطری بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک کا آغوش دوسرے
کیلئے دائمی طور پر ہمیشہ کے لئے کشادہ ہو جائے، اور ایک کے لب اور جسم دوسرے
کے لب اور جسم سے وصل ہو جائیں"

"کیوں، کیا تم نے کبھی بوسوں کی خواہش محسوس نہیں کی ہے؟ کیا تم کو کسی محبت بھری نگاہوں نے یہ نہیں بنایا کہ تم معشوق ہو، پیار کئے جانے کے قابل ہو!"

"تمہارا یہ جواب ہے کہ عورتوں کے لئے یہ سب وحشیانہ دام بلاہیں بہت خوب، مجھکو بھی اس کا علم ہے۔ پھر بھی میں ان باتوں کے لئے تگ و دو کرتا ہوں اور انھیں پیار کرتا ہوں، فطرت نے انسان پر فتح حاصل کی ہے۔ زبردستی فتح حاصل کی ہے، اس لئے انسان کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اسے شکست دے خواہ کے ہاتھوں سے اسے شکست دے۔ وصل کی ہر ممکن گھاتیں ایجاد کرے اور زندگی اور محبت سے کماحقہٗ خوشی اور مسرت وصول کرے"

"آؤ ہم تم مل کر ان چیزوں میں شعریت پیدا کریں جن کو تم، بہائمیت تصور کرتی ہو"

"اوام لذت نفس کا خیر مقدم کرو، اس سے ارتباط بڑھاؤ، اس کا بالکل اسی طرح جس طرح مزے دار شراب، گدرائے پھل، اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کی لذت حاصل کرتی ہو، مزا لوٹو، اس حسین پیکر سے محبت کرو جو خوب صورت، دلکش اور سیمین ہے اور حسن کی تعریف کے ترانے دنیا کے تمام بڑی ہستیوں کی زبان پر ہیں"

معلم اخلاق کو عصمت، حکیموں کو عقل، اور انھیں جن کو یہ پسند ہو، معصوم ازدواج کا ترانہ گانے دو، خانہ دار عورتوں کو اپنے فرائض، اور عقل مند مردوں کو

اپنے منصبی کاموں کے لئے چھوڑ دو یا رلیوں کو گرجا کی فکر میں منہمک رہنے دو۔۔۔۔"

"آؤ ہم تم محبت کریں۔ جذبات نفس سے محبت کریں۔ شہوت خیز محبت کریں، وہ محبت جو ہمیں پاگل بناتی ہے، تھکاتی ہے، خوش کرتی ہے، اور لذت نفس کو پرواز عطا کرتی ہے۔ وہ محبت جو عطر سے زیادہ خوشبودار، نسیم صبح سے زیادہ نرم اور نشتر سے زیادہ تیز ہے، وہ لذت محبت جو انسان کو رونے اور دعا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ وہ نفسانی محبت جو مکروہ گناہوں کے ارتکاب کی ترغیب دیتی ہے۔ اور وہ محبت جو کہ غیر معمولی جرات کا علم بلند کرتی ہے"

"آؤ ہم اس محبت کو نہ صرف خاموشی اور احترام کے ساتھ پیار کریں بلکہ اپنے مزاج کی تمام اجتماعی قوتوں اور اپنی فطرت کی تمام حیوانیت کے ساتھ پیار کریں آؤ ہم اس کی اسی طرح تلاش کریں، جس طرح سونا اور ہیرا تلاش کرنے میں کیونکہ یہ طلا اور الماس سے زیادہ گراں قیمت ہے، سنو یہ کیفیت جلد گزر جا سکتی ہے اور ہمیشہ کے لئے روپوش ہو جا سکتی ہے۔ اس لئے اس کی شان یہ ہونی چاہئے کہ انسان اسے کو حاصل کرے، اس کے لئے زندہ رہے، اور اسی کے لئے مر مٹے"

"اب میں تم کو اک ایسی بات بتا رہا ہوں جس کا نشان تک بھی تم کو کسی کتاب میں نہ ملے گا۔ وہی عورتیں اس دنیا میں خوش ہیں، جو جسمانی اور روحانی محبت کے فن میں طاق ہیں، وہ غم سے بری، مسرت بہ کنار اور آزاد ہیں۔ انھوں نے شیریں، بوسوں کے مزے لوٹے ہیں۔ اُن کے تاک میں رہی ہیں، اور یہ خیال کرتی ہیں کہ

دُنیائے زندگی میں انھیں کا، بس انھیں کا بول بالا ہے "

"لیکن افسوس تو اُن عورتوں پر ہے، جو کہ کم دیتی ہیں اور اُس کے عوض میں کم پاتی بھی ہیں۔ ان کی شخصیت نامکمل ہے۔ اُن کو سکون اور مسرت میسر نہیں آیا۔ امارت کا جھوٹا گھمنڈ، باعزت زندگی اور مادی اقتدار حاصل کرنے کی فکر محبت کی آزادانہ مسرتوں سے انھیں محروم کردیتی ہے "

وہ عورتیں جن کو محبت کی بھرپور دولت مل جاتی ہے۔ وہ نہ تو کسی دوسری چیز کی خواہش ہی کرتی ہیں، اور نہ اس کی عدم موجودگی پر افسوس ہی کرتی ہیں۔ اُن کے لبوں پر تبسم اور دل میں اطمینان رہتا ہے۔ وہ اُن مصیبتوں سے بے خبر رہتی ہیں۔ جو اوروں کی زندگی تلخ کردیتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ محبت ہر چیز کی جگہ لے لیتی ہے ہر نقصان کا کفارہ ہوتی ہے اور وہ تمام نعمتیں جس میں محبت کا جلوہ نہ ہو، جو محبت کی نگاہوں میں مہمل اور کھوکھلی ہو، محبت نواز نظروں میں حقیر اور ذلیل ہے "

وہ کاش میں تم کو اس سے بھی کچھ زیادہ لکھ سکتا! "

یہ دونوں خط روسی چمڑے کے جیبی نوٹ بک میں اعلیٰ جاپانی چاول کے کاغذ پر لکھے ہوئے گزشتہ اتوار کے دن دوپہر کی عبادت کے بعد میڈیلین کے گرجا میں ایک مقدس مقام پر پائے گئے۔

# خانہ بدوش

اک ایمان دار، مضبوط اور محنتی نوجوان روزگار کی تلاش میں ایک مہینہ بلکہ کچھ اس سے زیادہ دنوں سے سڑکوں پہ مارا مارا پھیر رہا تھا، ماں باپ کے مرجانے کی وجہ سے اس کی اور اس کی دونوں بہنوں کی مالی حالت بہت خراب ہو گئی تھی، وہ ایجنٹوں سے بھی ملا۔ انھوں نے کہا کہ غالباً وسط فرانس میں اسے نوکری مل جائے گی، چنانچہ وہ کئی سفارشی خط، کچھ سارٹیفکیٹ، اور سات فرانک نقد اپنی جیب میں رکھ کر، اور اپنی کل ضرورت کی چیزوں کو ایک گٹھری میں باندھ کر اور اپنی چھڑی میں لٹکا کر روانہ ہو گیا

وہ رات دن پانی اور دھوپ میں بہ ظاہر نہ ختم ہونے والی سڑکوں پر مارا مارا پھرتا تھا لیکن پھر بھی وہ اس مقام سے روشناس نہ ہوا، جہاں مزدوروں کو کام مل سکتا تھا۔ وہ بڑھئی تھا، اور معاشرتی زندگی کا ایک ضروری فرد، لیکن جہاں کہیں بھی وہ گیا اور نوکری کی درخواست کی اسے یہی جواب ملا کہ دنیا میں بڑھیوں کی

ٹھیرتا ہے، اور اُن کے پاس کوئی جگہ خالی نہیں، مرتا کیا نہ کرتا، اس نے بھیک مانگ کر اور کچھ ایسا ویسا کام کرکے اپنا سفر جاری رکھا، وہ کبھی کنواں کھودتا، پتھر توڑتا، لکڑی کاٹتا، اور بھیڑوں کے گلے چراتا، اور ان کاموں کی جو کچھ مزدوری ملتی اس میں بسر اوقات کرتا، عورتیں خاص طور پر اُس سے رحم اور مہربانی کا سلوک کرتیں، آخر کب تک رفتہ رفتہ اُس کے بُرے دن آگئے۔

ایک دن شام کے وقت جبکہ رنڈل تھکا ماندا خالی پیٹ اور جوتا کو بچائے کیلئے ننگے پاؤں چلا جارہا تھا، ملک کا وہ خطہ سنسان اور گویا غیر آباد تھا، متلاتی ہوائیں ٹھنڈک تھی اور پانی برسنے والا تھا، رنڈل بھوکا تھا اور بھوک کی شدت نے اُسے مایوس اور خطرناک کردیا تھا، اس کا منہ خشک تھا، اور سر چکرا رہا تھا اس کی گرہ دار چھڑی، کسی پاس سے گزرنے والے مسافر کے سر پر گرنے والی ہی تھی،

وہ چند لکڑیوں کو اکٹھا کرکے آگ سلگا سکتا تھا، لیکن وہاں کوئی گرا ہوا سیب یا ادھر ادھر پڑے ہوئے آلو تو تھے نہیں جن کو وہ بھون لیتا، اُسے صرف ایک کچا چقندر ملا جو یقینی کسی کسان کی ٹوکری سے نیچے گر گیا تھا، وہ بیہودہ سوالوں مشتبہ نگاہوں پھبتیوں اور توہین آمیز حملوں سے سخت عاجز آگیا تھا۔ اُس کو اس بات کا غصہ تھا، کہ وہ اپنا تمام وقت، کل قوت اور ساری دماغی جدوجہد محض نا امیدی اور بے چینی میں صرف کررہا تھا، اور گھر پر اس کی بہن عزت میں صبر سے بسر کررہی تھی اس نے دماغ میں یہ خیال پیدا ہوا، انسان ایک ذلیل کتا ہے، لطف دیکھو کوئی

تو بھوک سے جاں بہ لب ہے، اور کوئی چین سے مزے اڑا رہا ہے، اف لو وہ پانی بھی برسنے لگا۔ کیسی خوفناک رات ہے، میں تو محنت اور مشقت کرکے ایمانداری کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں اور وہ مجھے اس کا موقع نہیں دیتے، کیا مصیبت ہے کیسے ظالم ہیں یہ لوگ!

اس کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا، وہ اپنی مصیبتوں سے مغلوب ہو گیا۔

پھر بھی وہ ہمت نہیں ہارا، آخر اس کو بھی زندہ رہنے کا ہی حق ہے جو وہ سروں کو ہے، ہاں...... وہ دنیا کو دکھا دیگا کہ وہ بھی زندہ رہنے کا ویسا ہی مستحق ہے جیسا اور لوگ...... گھر کی یاد اس کے دل میں موجیں لینے لگی،

رنڈل نے پانی سے بچنا چاہا۔ بارش کی شدت اس کی جلد بدن تک کو تر اور کر رہی تھی،...... نزدیک پاس میں کوئی جگہ پناہ کی نہ تھی، رات ہو چلی تھی راستہ پر کسی متنفس کا پتہ نہ تھا۔

ناگہاں گھاس پر اسے کوئی سیاہ چیز دکھائی دی، وہ اک بڑی سی گائے تھی، اب وہ اپنے کو تنہا نہ سمجھتا تھا، کاش کوئی گگری یا اسی قسم کی کوئی اور چیز مل جاتی تو وہ تھوڑا سا دودھ لیتا، اس نے اپنے دل میں سوچا،

وہ نزدیک ہو پہنچ کر گائے کو اٹھانے لگا۔

اُف!! میری امیش تنہائی، اس نے چلا کر کہا،

وہ آہستہ سے اٹھ کھڑی ہوئی، رنڈل گائے کے چاروں پاؤں کے درمیان

پیٹھ کے بل لیٹ گیا اور اس کے غفن کو انگلیوں سے دبا کر دودھ پینے لگا، یہاں تک کہ وہ سیر ہو گیا، اور اس کی پیاس بجھ گئی،

سردی اور تاریکی ہر لمحہ بڑھتی جاتی تھی، اور اس آوارہ گرد، کے بھیگے کپڑے اس کے بدن پہ چپکے ہوئے تھے...... دور پر درختوں کی آڑ میں اسے یک بہ یک روشنی دکھائی دی،

گائے پھر اپنی جگہ پر اطمینان سے بیٹھ گئی۔ جیک اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اور اس کے بدن پر ہاتھ پھیر کر گویا اس کا شکریہ ادا کرنے لگا، اس کا بدن کس قدر گرم تھا...... کیا اچھا ہو، اس نے خیال کیا، اگر میں اس سے سٹ کر سو رہوں...... وہ نزدیک بہت نزدیک چلا گیا، اور اپنا موتہہ اس کی گرم جلد بدن پر رکھدیا، اور چونکہ نیند کا ماتا تھا فوراً ہی سو گیا۔

رات کو وہ کئی بار اٹھا اور کروٹ بدل بدل کر اپنے تمام جسم کو گرما لیا، تڑکا ہونے پر جب وہ اٹھا تو فضائے صبح صاف اور شفاف تھی، آفتاب چمک رہا تھا۔ گائے ابھی تک سوئی تھی، رنڈل نے جانے کے قبل اپنی ٹوپی اتار کر اسے احترام سے سلام کیا۔

رخصت پیاری دوست، تم نے مجھے بہت عافیت سے بچائی، اچھا۔

پھر ملیں گے اگر خدا لایا۔

وہ شاہراہ پر کوئی دو گھنٹہ تک چلتا رہا، گرجا میں گھنٹے بج رہے تھے، اور دور کے لوگ بیدار ہو رہے تھے،

ناگہاں اسے اک جسیم شمیم کسان اپنے آگے آگے بھیڑوں کے ایک گلے کو ہنکاتا ہوا نظر آیا، اک نگہبان کتا اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا،

رنڈل کھڑا ہو گیا اور تعظیم کے لئے اپنی ٹوپی اتار دی،

کیا اک غریب محتاج کو آپ کوئی کام دے سکتے ہیں،

کسان نے اسے حقارت کی نظر سے دیکھا اور درشتی سے کہا،

بھیک منگوں کے لئے میرے پاس کوئی کام نہیں ہے، چلو ہٹو،

رنڈل سڑک کے کنارے بیٹھ گیا، اور رہ گزروں کا جائزہ لینے لگا، وہ اس فکر میں تھا کہ کوئی مہربان صورت نظر آئے تو وہ اپنی درخواست پیش کرے، لیکن وہاں کوئی ایسانہ ملا جس کے نزدیک بھی جانے کی اسے جرأت ہوتی، اک آوارہ گرد انسانی خصائل کا بہترین ماہر ہوتا ہے،

ناگہاں اسے اک متوسط الحال رحم دل سا معزز آدمی نظر آیا، جس کے سینے پر سونے کی گھڑی کی چین لٹک رہی تھی،

جیک نے کہا، جناب میں کوئی دو مہینے سے نوکری کی تلاش میں سرگرداں ہوں، میری حالت نازک ہے اور میرے پاس روپیہ تو کجا، ایک اکنی بھی نہیں،

کیا تم نے یہ نوٹس "بھیک مانگنا منع ہے" یہاں کٹہرے پر چسپاں نہیں دیکھا،

اس نے جواب دیا میں مجسٹریٹ ہوں، بس فوراً یہاں سے چل دو، ورنہ میں حوالات میں بھجوا دوں گا!

تو مجھے حوالات ہی میں بھجوا دیجئے۔ رنڈل نے غصہ میں کہا: وہاں بھوک سے تو نہ مروں گا

وہ پھر وہیں بیٹھ گیا اور کوئی گھنٹہ بھر تک بیٹھا رہا، قسمت کی ستم ظریفی دیکھئے، دو

سپاہی اس کی جانب ٹہلتے ہوئے آتے نظر آئے۔ ان کی آہنی کلاہ اور اسپانند کے

ٹین آفتاب کی کرنوں میں جگمگ جگمگ کر رہے تھے،

وہ سمجھ گیا کہ وہ اسی کی فکر میں تھے، پھر بھی وہ لاپروائی سے بیٹھا رہا اور اپنی

جگہ سے نہ ٹلا، کیا وہ اسے گرفتار کرلیں گے؟ اچھا اگر گرفتار کرلیں، اس کا عوض کبھی نہ کبھی ان

سے لوں گا ضرور، وہ سپاہیوں کو کچھ بھی خاطر میں نہ لایا۔

وہ گویا بے خبری میں اس کے پاس آئے، پھر یک بہ یک اسے دیکھنے کا حیلہ کرکے وہاں

کھڑے ہو گئے اور اسے قہر کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ ان کا افسر (بریگیڈ) آگے بڑھا۔

تم یہاں کیا کر رہے ہو، اس نے پوچھا،

آرام کر رہا ہوں، رنڈل نے اطمینان سے جواب دیا۔

کہاں سے آ رہے ہو۔

مجھے اس کا جواب دینے میں کوئی گھنٹہ بھر لگے گا، میں کتنی جگہوں سے گھومتا آ رہا ہوں

کہاں جا رہے ہو،

گھر،

اچھا یہ تو کہو کہ گھر سے نکلے کیوں،؟

نوکری کی تلاش میں،

افسر نے اپنے اور ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

یہ تو سب کہتے ہیں، اس نے کہا، تمہارے پاس کوئی ثبوت کا کاغذ بھی ہے،

ہاں، یہ ہے،

پریگیٹ نے کاغذات کو تفتیشی نگاہ سے دیکھا، انہیں کیل کانٹے سے درست پاکر وہ اپنے دھوکہ کھاجانے پر کچھ ناامید اور زچ ہوگیا۔ اور کاغذات واپس کردئے

تمہارے پاس پیسے ہیں۔ اس نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے پوچھا۔

نہیں،

تو تمہارا ذریعہ معاش کیا ہے۔

جو کچھ لوگوں سے مل جاتا ہے۔

تو گزر اوقات کے لئے تم بھیک مانگتے ہو۔

ہاں جب کبھی موقع مل جاتا ہے۔

تو اس قصور پر کہ تم سلطنت کے مجرم ہو، میں تم کو گرفتار کرتا ہوں، تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ گدائی منع ہے، تو بس اب چلو ہمارے ساتھ،

بڈھا عیسیٰ اٹھ کھڑا ہوا،

بہتر، اس نے کہا، مجھے بھی کسی قسم کی پناہ کی شدید ضرورت ہے۔

جب سپاہی مجرم کے ساتھ اس چھوٹے سے گاؤں میں پہنچے تو لوگ اسے تعجب سے گھورنے لگے، یہ سمجھ کر کہ وہ کوئی چور، فراری، یا خونی ہے، بچے جمع ہو کر اس کے

پیچھے پیچھے چلنے لگے، کسی نے ایک پتھر بھی رسید کر دیا۔

رنڈل تھانہ میں داخل ہوا اور اپنے سامنے اسی مجسٹریٹ کو دیکھا جس سے رستے میں مڈبھیڑ ہوئی تھی،

آہا، آں حضرت نے فرمایا، تم آگئے، میں تو تمہارا منتظر ہی تھا، اچھا اندر آجاؤ۔

رنڈل آزردگی سے کمرے میں داخل ہو گیا۔

تو تم شاہ راہ پر نوکری تلاش کر رہے تھے، کیوں،

ہاں، تو آپ کا یہ خیال ہے کہ اگر میں جنگل میں جا کر چھپ جاؤں تو مجھے نوکری مل جائے گی۔

حبابت اور ضربیت کے زیر اثر دونوں نے ایک دوسرے کو گھور کر دیکھا اور دشمن بن گئے،

خیر اس مرتبہ میں تم کو چھوڑ دیتا ہوں میرا ارادہ محض تم کو تنبیہ کرنے کا تھا لیکن یہ یاد رہے کہ اگر تم پھر دھرے گئے، تو تمہارا ٹھکانا جیل ہوگا۔

رنڈل نے کہا، میری تو یہ خواہش تھی کہ آپ مجھے ابھی قید کر دیتے،

چپ رہو، اور جہاں تک جلد ممکن ہو، یہاں سے دور ہو جاؤ،

اچھا تو مجھے کچھ کھانے کو تو دیجئے،

کیا خوب! یہ مرد ک واقعی قید خانہ کی ہوا کھانا چاہتا ہے! مجھے حیرت ہے

کہ دیکھئے اب آگے اور کیا کھلتا ہے۔

رنڈل مصیبت کا مارا تمام دن آوارہ پھرتا رہا۔ اس کو اس بات کا احساس بھی نہ ہوا کہ انسان پر ایسا برا وقت پڑ سکتا ہے۔ کھلیان سے ملحق ایک چھوٹے سے بنگلے سے گزرتے ہوئے جس کی ایک کھڑکی کھلی ہوئی تھی، گرم گرم کلتے کے شوربہ کی اک مزے دار خوشبو نے دفعتہً اس کے پاؤں پکڑ لئے۔ اس کی خوفناک بھوک بیدار ہو گئی۔ اور اسے ضبط کی تاب نہ رہی۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ جو کچھ بھی ہو، وہ کسی نہ کسی عنوان سے کھانا ضرور حاصل کرے گا۔ اپنا سارا زور دروازے میں لگا کر، اس نے دروازے کو پیٹنا شروع کر دیا گھونسوں کی ضرب سے دروازہ کھل گیا، مکان کے اندر کوئی نہ تھا، وہ باورچی خانہ میں گھس گیا جہاں پکتے ہوئے گوشت اور ترکاریوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی میز پر دو آدمیوں کے لئے کھانا چنا ہوا تھا، تازہ روٹی اور شراب کے گلاس رکھے ہوئے تھے،

رنڈل نے روٹی اٹھالی اور اسے دو ٹکڑے کر دیا، بالکل اسی طرح جیسے کوئی کسی آدمی کے ٹکڑے اڑا دے، اور اسے حریصانہ انداز سے نگل گیا، گوشت کی خوشبو نے اسے دیگچی کی طرف متوجہ کیا۔ اس نے سر پوش ہٹا کر، گوشت کا اک بڑا سا ٹکڑا نکالنے سے نکال لیا اور پیاز گاجر اور گوبھی اپنے ہاتھوں میں لیکر بے تحاشا کھانا شروع کر دیا، اس نے بکرے کے گوشت کے چھوٹے بڑے تراش لئے اور رکھ دیا گیا۔

اب اسے شراب یاد آئی، میز پر جا کر اس نے ایک گلاس بھر لیا۔ شراب

اچھی تھی، اس کی رگوں میں جان آگئی، اور اُس کے اعصاب چست ہو گئے، وہ گلاس پر گلاس چڑھاگیا، پھر آہستہ آہستہ کھانے لگا، اب اسے پائپ (تمباکو) کی ضرورت محسوس ہوئی اس کا پیٹ بھر گیا اور سارا جسم گرما گیا اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ گھر اُس کا نہیں تھا، یک بہ یک باہر کی پگڈنڈی پر قدموں کی چاپ سنائی دی، وہ ڈرا تو نہیں مگر عقل حیوانی کے ایما سے، وہ ایک جیب میں روٹیاں اور دوسری میں شراب کی بوتل ٹھونس کر، کمرے کے دوسری جانب سے کود کر باہر نکل گیا۔

اب اُس نے شاہ راہ چھوڑ کر جنگل کا رخ کیا، وہ گاتا ہوا جا رہا تھا، لذیذ کھانوں[1] نے اس میں قوت اور تازگی پیدا کر دی تھی،

جوں ہی وہ جنگل میں داخل ہوا، اس نے شراب کی بوتل جیب سے نکالی اور پینے لگا، اب اس کے خیالات بہکنے لگے، سر چکرانے لگا، لیکن وہ نرم نرم سبزوں کے فرش پر چلتا ہی رہا، ناگاہ چوراہے پر، اسے ایک لڑکی نظر آئی، جو دودھ کی گگریاں لئے ہوئے اپنی بنگلہ کو جا رہی تھی،

وہ اس کی گھات میں یوں تاک لگائے کھڑا رہا جس طرح کتا شکار کو اپنی نظروں میں رکھتا ہے۔

لڑکی اس کو دیکھ کر کھڑی ہو گئی اور ہنس کر بولی،

تو تم ہی اس طرح گا رہے تھے، میں تو بہت ڈر گئی تھی۔

لڑکی کی باتوں پر اس نے کوئی دھیان نہیں دیا۔ وہ نشہ میں چور تھا، اس کا دماغ

اور اخلاقی توازن برہم تھا، اس کی فطرت کا ہر شعبہ اپنی پیاس بجھانے کے لئے بے چین تھا، کیوں نہ ہو، جہینوں گزر گیا تھا کہ نہ تو اس نے کسی عورت کو دیکھا تھا۔ اور نہ ہاتھ لگایا تھا، اس پر طرہ یہ کہ اس میں شباب، قوت اور جوش کوٹ کوٹ کر بھرا تھا مردوں کے لئے یہ باتیں قدرت کا عطیہ ہیں ..........

اس کی خونی آنکھوں کی خوفناک چمک کھلا ہوا منہ، اور پھیلے ہوئے ہاتھ دیکھ کر لڑکی نے بھاگ جانا چاہا، رنڈل نے اس کے شانے پکڑ لئے، اور بغیر کچھ کہے سنے اس کو اپنی آغوش میں کھینچ لیا۔

دودھ کی گگریاں خوفناک کھڑکھڑاہٹ کے ساتھ زمین پر آرہیں، اور لڑکی شور مچانے لگی، پھر یہ سوچ کر کہ اس سنسان مقام پر، جہاں اس کی آواز تک کوئی نہیں سن سکتا، اس کی چیخ پکار بے سود ہوگی، وہ خاموش ہو گئی، اور یہ دیکھ کر کہ وہ اس کی جان لینا نہیں چاہتا اس نے کوئی کشش نہ کی، وہ کچھ زیادہ بدحواس بھی نہ ہوئی، کیوں کہ شرابی نے اس کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی اور نہ کسی بے رحمی کا برتاؤ کیا۔

جب لڑکی آپے میں آئی تو یہ خیال آتے ہی کہ اس نے اس کو ڈرا دیا تھا اور اس کی گگریوں کو گرا دیا تھا اسے غصہ کا دورا شروع ہو گیا، اس نے کلوا اتار کر اس کے سر پر دے مارا اور دودھ کی قیمت طلب کی، کیوں کہ اپنے مالک سے وہ اب کسی معاوضہ کی مستحق نہ تھی، رنڈل اپنی حرکتوں سے ڈر کر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا، لڑکی نے بھاری پتھر چن کر اس کی خبر لی، جینہ پتھر اس کی پیٹھ پر لگے بھی،

بھاگتے بھاگتے وہ ایک سایہ دار اوک کے درخت کے نیچے پہونچا اور وہیں پڑ کر سو رہا۔

جب اس کی نیند ٹوٹی تو اس نے محسوس کیا کہ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور وہی دونوں سپاہی جو صبح کے وقت اسے ملے تھے اس پر جھکے ہوئے دانت پیس رہے تھے۔

وہ چلا کر بولے، ہمیں تو اس کا یقین تھا کہ تم ہمیں ہمارے ہاتھ لگو گے، چلو چھٹی ہوئی اب مدت تک تم ہم سے جدا نہ ہو گے، رنڈل بغیر جواب دئے۔ چپ چاپ اٹھ کھڑا ہو گیا، وہ اپنی تقدیر پر راضی ہو گیا، جھگڑا مول لینا یا اپنی مصیبت پر افسوس کرنا اس نے بیہودہ سمجھا، وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر وہ بھاگ جانے کی ذرا بھی کوشش کرے گا تو سپاہی شوق ایذا دہی میں بری طرح اس کی خبر لیں گے۔ پولیس ماہی گیروں کی طرح اپنے کام میں چست ہوتی ہے وہ شکار کے نکل بھاگنے سے سخت نفرت کرتی ہے اور وہ دوبارہ گرفتار کرنے میں پوری کوشش کام میں لاتی ہے۔

ان کے گاؤں میں پہونچتے پہونچتے، گوشت اور شراب کی چوری مشہور ہو گئی تھی، بستی والوں نے جب اسے سپاہیوں کی حراست میں دیکھا تو سمجھ گئے کہ چور پکڑا گیا، گاؤں کا ہر عورت کی حرکتوں سے یہ پتہ چلتا کہ چوری اسی کے گھر ہوئی ہے، اور وہ اسے دھمکیاں دیتی، لڑکے پتھر پھینکتے، مرد فحش پھبتیاں کستے اور لے دھکے سے دھکیلے لگاتے، اس کی جان عذاب میں تھی۔

جب رنڈل اس کے سامنے لایا گیا تو مجسٹریٹ کو بڑی خوشی ہوئی اور وہ مارے خوشی کے تالیاں بجانے لگا۔

بانکے نوجوان! میں جانتا تھا کہ تم فوراً ہی گرفتار کر لئے جاؤ گے، وہ چلا کر بولا،

تم حقیقت میں ایک آوارہ فطرت، ذلیل، خانہ بدوش ہو،

اور

اب بیس برس کے لئے تمہارا ٹھکانا ہو گیا۔

# "سائمن کا باپ"

بارہ کا گھنٹہ ابھی ابھی بجا تھا، اسکول کے کمرے کا دروازہ کھلا، اور لڑکے ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے تازہ ہوا کھانے کے لئے بے تحاشا دوڑ کر باہر نکلے، لیکن خلاف معمول کھانا کھانے کے لئے جلد سے جلد گھر پہنچنے کی بجائے رک کر چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا کر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔

کیوں کہ آج صبح کو ننھا سائمن، بلان شوٹے کا لڑکا پہلے پہل اسکول آیا تھا۔ بلان شوٹے کا ذکر ہر شخص حقارت سے کرتا، لوگ اس پر نامہربان نہیں تھے تاہم اس کی عزت شوہر دار صاحب اولاد عورت جیسی نہیں کرتے تھے۔

ننھے سائمن کو دوسرے بچے گویا جانتے ہی نہ تھے، کیوں کہ وہ ان کے ساتھ نہ تو اچک پھاند، کھیل کود، اور کسی قسم کی شرارت کرتا اور نہ ان سے ملتا جلتا۔ اس لئے انھیں سائمن سے اک قسم کی عداوت تھی، جب اس نے کلاس میں

داخلہ لیا تو اُن لڑکوں کو سخت تعجب ہوا اور آپس میں کھانا پھوسیاں ہونے لگیں، کیوں کہ اک واقف کار لڑکے نے اُن سے کہدیا تھا۔

تم شاید نہیں جانتے،...... سائمن... کا باپ نہیں ہے،

اسی وقت بلا آن شوٹے کا لڑکا کلاس سے باہر نکل کر وہ ایک لمحے تک سیڑھیوں پر کھڑا رہا۔

اس کی عمر کوئی سات آٹھ سال کی ہوگی، وہ کچھ شرمیلا لیکن صاف ستھرا تازہ دم لڑکا تھا سائمن اسکول کے میدان سے باہر نکلا ہی چاہتا تھا اور اپنے گھر کھانا کھانے کے لئے جا ہی رہا تھا کہ دفعتہً بغیر کچھ کہے سنے لڑکوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر کر مقید کر لیا۔ وہ ان کے بیچ میں متعجب اور متفکر کھڑا ہو گیا، اس حراست کا مطلب وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔ اتنے میں سب سے بڑے لڑکے نے یکا یک اُس سے یہ پوچھا،

تمہارا نام کیا ہے؟

سائمن

دوسروں نے کہا، کون سائمن ضرور تمہارا کوئی اور اچھا سا نام ہوگا۔ سائمن کے ساتھ کچھ اور ہونا چاہئے،

لڑکا شرم سے جزبز ہو کر صرف اتنا کہہ سکا،

میں نے تو کہدیا کہ میرا نام سائمن ہے۔

لڑکے زور زور سے ہنسنے لگے، بڑا لڑکا پھر بول اٹھا،

دیکھا تم نے، اس کا کوئی باپ نہیں ہے،

وہاں ایک خوفناک خاموشی چھا گئی، کل لڑکے استعجاب کے ساتھ اس غیر معمولی ہستی کو دیکھنے لگے جس کا کوئی باپ نہیں تھا،

لڑکا پہلے تو چپ چاپ کھڑا رہا گویا وہ غم اور شرم کے جذبات سے مغلوب ہو کر چیخ اٹھے گا۔ پھر یک بہ یک بلا سوچے سمجھے عقل حیوانی کے تمیز سے جو حفاظت نفس کی تلقین کرتی ہے بےقرار ہو کر تیز آوازمیں بول اٹھا۔

تمہارا خیال غلط ہے، میرا کوئی باپ ضرور ہے۔

لڑکوں نے پوچھا، پھر وہ ہے کہاں؟

سائمن چپ ہو گیا، کیونکہ اس کو اس کی خبر نہ تھی، دوسرے لڑکوں نے اسے پوری طرح بے رحمی سے دق کرنے کا ارادہ کر لیا، یک بہ یک بڑے لڑکے نے اپنی ہمسایہ بیوہ عورت کے لڑکے کی طرف اشارہ کر کے اس سے پوچھا،

تمہارے بھی تو باپ نہیں ہے۔

ہاں ہے لڑکے نے جواب دیا۔

وہ کہاں ہے،

وہ مر گیا، لڑکے نے غرور سے جواب دیا۔ اس کی قبر پہ سنگ مرمر کا اک حسین کتبہ کندہ ہے۔

اس جواب پر اس چھوٹی سی جماعت میں تالیاں بجنے لگیں، اس سے کوئی بحث نہ تھی کہ ان کے باپ، وحشی، عیاش اور لچے تھے، پھر بھی وہ ان کی جائز اولاد تھے، چونکہ وہ دوسرا لڑکا ناجائز اولاد تھا، اس لئے سب کے سب اس کے دشمن تھے، اور اسے حقارت کی نظر سے دیکھنے کا حق رکھتے تھے،

لانبے لڑکے نے سائمن کا منہ چڑا دیا، بس یہ کیا تھا اس نے دوسرے چلانا شروع کر دیا، اور متواتر شدید ضربیں بڑے لڑکے کو لگا دیں، یہ حملہ ایسا ناگہانی اور غیر متوقع تھا کہ پورے ایک منٹ تک سب کے سب ساکت کھڑے رہے، پھر اکٹھا ہو کر سبھوں نے چھوٹے لڑکے کو دبوچ لیا اور بے رحمی سے اس غریب کی مرمت کرنے لگے، پانچ چھ مرتبہ اسے گرا کر وہ میدان میں گھسیٹتے رہے،

سائمن نے پہلے تو بڑی مردانگی سے مقابلہ کیا لیکن جب اس نے دیکھا کہ مقابلہ بیکار ہے، تو وہ بڑے زور زور سے چیخ کر رونے لگا،

اس آثار شکست پر ایک خوفناک خوشی اس کے دشمنوں میں پھیل گئی، اور صحرائی، وحشیوں کی طرح انھوں نے اس کے گرد حلقہ باندھ کر ناچنا اور گانا شروع کر دیا۔

آؤ دکھلاؤ، تو اپنے باپ کو، لاؤ دکھلاؤ تو اپنے باپ کو،

ناگہاں غصے سے پاگل ہو کر ننھے لڑکے نے دو تین بڑے پتھر اٹھا کر ان پر لگانا شروع کر دیا، اس دلیری نے جس میں غصہ بھی ساتھ ہی ساتھ لہرا رہا تھا، لڑکوں کی جماعت

کو ٹھکرا دیا، جس طرح بپھرے ہوئے شیر کو ٹوک کر بزدلوں کے قدم نہیں جمتے، اسی طرح تمام لڑکے ننھے سائمن کو آمادہ پیکار، دیکھ کر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے،

جب وہ اکیلا رہ گیا تو سیدھا دریا کے کنارے پہونچا، اس نے سوچا ایسی زندگی بیکار ہے جب ہر وقت اسی قسم کے طعن آمیز مظاہروں کا سامنا ہے، بس اب مجھے ڈوب مرنا چاہیئے۔

اسے یاد آیا کہ اس کی ماں نے اپنے ہمسائی سے اک بوڑھے آدمی کی خودکشی کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ کہا تھا "سنا تم نے مرنے کے بعد اس کے چہرے سے خوشی اور اطمینان ٹپک رہا تھا، وہ یقیناً اس دنیا میں خوش خرم ہوگا،

تو مرنے کے بعد انسان کو خوشی حاصل ہوتی ہے ...... وہاں کوئی دق کرنے، چھیڑنے اور تکلیف دینے والا بھی نہیں ہوتا ...... ننھے سائمن کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی کہ مرنا بہت اچھا ہے ...... تاہم زندہ رہنا بھی بہت سی مخلوق کے لئے اچھا ہوگا ...... کیونکہ مچھلیاں پانی سے تڑپتے وقت کس قدر خوش معلوم ہوتی ہیں"!! دریا کا صاف شفاف، ٹھنڈا، اور نتھرا ہوا پانی خوب مسرور معلوم ہوتا ہے۔

ناگہاں ایک پتنگا اک پتی سے اڑا، سائمن نے تیزی سے اس کا پیچھا کیا وہ ایک کھیت سے دوسرے کھیت میں اس کے پیچھے پیچھے دوڑتا رہا۔ وہ اس کی چالاکی اور پھرتی سے اس کے پکڑنے میں محو تھا کہ آخر اس نے اس کیڑے کو پکڑ ہی لیا، پھر یکبارگی اسے صبح کا واقعہ یاد آگیا، کس طرح اس کی توہین کی گئی،

اور کس طرح وہ دریا میں ڈوب مرنے کے لئے تیار تھا،.... لیکن اس وقت وہ

دریا سے دور تھا اور گرمی شدید تھی.........

وہ سبزے پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور وہ اس طرح رو رہا تھا

گویا اس کا کلیجہ پاش پاش ہو گیا تھا، دفعتہً ایک بھاری ہاتھ نے اس کے شانے پر

تھپکی دی اور اک گہری آواز آئی،

کیوں کیا ہوا، بچے،؟ تو اس قدر پریشان کیوں ہے۔

سائمن نے اوپر کی طرف دیکھا، ایک لانبا دراز ریش مرد ورا اسے شفقت

کی نظر سے دیکھ رہا تھا،

ننھے بچے کا دل بھر آیا اور اس نے رو رو کر کہا۔

ان لوگوں..... ان لوگوں نے مجھے مارا... کیوں کہ... کیونکہ میرا کوئی

باپ نہیں۔

طویل القامت آدمی نے مسکرا دیا اور زور سے بولا،

بھلا ایسا بھی دنیا میں کوئی ہے جس کا باپ نہیں ہے۔

لڑکے نے رو کر جواب دیا، لیکن میرا کوئی باپ نہیں ہے

تمہاری ماں کا کیا نام ہے

مادام بلانش شوٹے،

تو یہ ننھا بچہ، بلانش شوٹے کا بیٹا ہے

گو وہ اس نواح میں نہیں رہتا تھا، مگر بلان شوتے کے متعلق بہت کچھ سن چکا تھا

اُس نے لڑکے کا بازو شفقت سے پکڑ لیا۔

گھبراؤ نہیں بچے تو خوش ہو جاؤ۔ چلو میرے ساتھ چلو، میں تمہاری ماں

کے پاس تم کو لے چلتا ہوں، میں تمہارے لئے کہیں نہ کہیں سے ایک باپ تلاش کروں گا

دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیکر روانہ ہو گئے۔

وہ جلد ہی اک چھوٹے سے صاف ستھرے قلعی دار مکان پر پہونچ گئے، ایک

عورت دروازہ پر کھڑی ہوئی ان دونوں کو آتے ہوئے دیکھ رہی تھی،

اجنبی بلان شوتے کو دیکھنے کے لئے بے چین تھا، یہ خبر تمام مشہور تھی کہ وہ

اس جوار کی سب سے زیادہ حسین عورت تھی، لیکن جوں ہی اس نے وہاں اک

دراز قد، زرد رو، خشمگیں صورت عورت کو کھڑا دیکھا، وہ تمام تعریفیں جو کہ اس

نے اپنی غائبانہ ممدوحہ کی شان میں مرتب کی تھیں۔ بالکل فراموش ہو گئیں، اسے

ایسا محسوس ہوا کہ وہ اپنے جھونپڑے کو اس ضعف کے سایہ سے بھی محفوظ رکھنا

چاہتی ہے جو اس کے آلام و مصائب کا باعث تھے۔

اجنبی ٹوپی اتار کر ڈرتا ہوا اس کے نزدیک گیا اور بولا،

مادام، میں آپ کے لڑکے کو واپس لایا ہوں،

لیکن سائمن بیچ میں بول اٹھا اور اپنے بازو کو اپنی ماں کی گردن میں ڈال کر رو رو

کے کہنے لگا،

ہنیں اماں،..... چوں کہ ان سبھوں نے مجھے اسکول میں مارا اس لئے میں
تھیما ڈوب مرنے کے لئے جا رہا تھا..... مجھے اس لئے مارا کہ میرے باپ نہیں ہے
عورت ندامت کے باعث آہستہ آہستہ سرخ ہو گئی اُس کے جگر میں برچھی
سی لگی، اجنبی وہاں حادرجہ متاثر کھڑا رہا، اُسے اس بات کی خبر ہی نہ تھی کہ اب
کیا کرنا چاہیے کہ دفعتہ وہ کمسن لڑکا اس کے نزدیک دوڑ کر گیا اور بولا۔
تم میرے باپ بنو گے؟
عورت نے اپنا منہ دوسری جانب پھیر لیا، مرد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے
کی اسے جرات نہ تھی، اجنبی ساری باتیں مذاق میں ٹال کر بولا،
ہاں ضرور، آخر کیوں ہنیں!!
تو مجھے اپنا نام بتا دو، جب لڑکے مجھ سے پھر پوچھ گچھ کریں گے تو میں تمہارا نام
لے لوں گا،
فلپ، اجنبی نے کہا،
کمسن سائمن دوڑ کر اس سے لپٹ گیا اور خوشی سے چیخ کر بولا۔
تم میرے باپ ہو، تم میرے باپ ہو،
مرد نے اس بچے کو گود میں اٹھا کر زور زور سے اس کے بوسے لئے اور پھر گھوم کر نہایت
تیزی کے ساتھ میدان کی طرف نکل گیا۔
دوسرے دن جب سائمن اسکول گیا تو اس کا خیر مقدم، مذاق، ہنسی کی بوچھاڑ

اور قہقہوں کے ساتھ ہوا، لیکن بچے نے پھر کہا، سنو میرے باپ کا نام فلپ ہے،
لڑکوں کی جماعت سے قہقہوں کی آواز بلند ہوئی،

فلپ کون؟ فلپ کیا؟ فلپ کہاں کا؟

خیریت ہوئی کہ اسکول ماسٹر پہونچ گیا، اور آخر کار و ہمیں امن قائم ہوا،

تین ماہ تک وہ فلپ آدر، مزدور ہفتہ میں ایک بار اس بچے کو دیکھنے کے لئے۔
جھونپڑے سے گزرتا، بچے کی ماں اس سے ہمیشہ دردناک انداز میں باتیں کرتی، لیکن کبھی
اسے جھونپڑے کے اندر آنے کی دعوت نہ دیتی، رہا سائمن وہ تو اپنے "پاپا" پہ فدا تھا
جس دن وہ آنے والا ہوتا تو شام ہی سے اس کا منتظر رہتا، اب وہ اسکول میں خاموش
رہتا اور لونڈوں کی پھبتیوں کا کوئی جواب نہیں دیتا،

ایک دن وہی لڑکا جس نے اس پر پہلے پہل حملہ کیا تھا، بولا،

تم جھوٹے ہو، تمہارا کوئی باپ جس کا نام فلپ ہے نہیں ہے۔

سائمن نے کہا، تمہارا مطلب کیا ہے،

سنو، وہ اگر تمہارا باپ ہوتا، تو تمہاری ماں کا شوہر ہوتا،

سائمن گھبرا گیا وہ صرف اتنا کہہ سکا۔

اس کا علاج میرے پاس نہیں ہے، بہرحال اب وہ میرا باپ ہے۔

ہاں، ایک طرح سے وہ تمہارا باپ ہے، لڑکے نے حقارت سے کہا۔

اسکول کے بعد تنہا سائمن اس جگہ جا پہونچا، جہاں فلپ لہار کا کام کرتا تھا،

وہاں فلپ اور دوسرے دو آدمی نظر آئے جو گھوڑے کی نعل باندھ رہے تھے، بھائی کی ہونکتی ہوئی شاعوں کے سامنے کھڑے ہو جانے سے بچے کا گورا گورا چہرہ سُرخ انگاروں کی لپک سے سیاہ سا ہو گیا، سائمن زور سے بولا،

فلپ...... وہ...... اسکول کے لڑکے...... کہتے ہیں کہ حقیقت میں تم میرے باپ نہیں ہو، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تم میرے باپ ہو نہیں سکتے کیوں کہ تمہاری شادی میری ماں کے ساتھ نہیں ہوئی ہے۔

کوئی ہنسا نہیں، مردوں نے اپنے اوزار رکھ دئے، ان میں سے ایک نے گھوڑے کی گردن کو تھپکتے ہوئے بے ساختہ کہا

بلانشوتے ہم ہی لوگوں جیسی انسان ہے، وہ اپنی مصیبتوں میں بھی بہادر رہے، وہ محنت کرتی ہے، اور غریبوں پر مہربان بھی ہے، شریف سے شریف مرد بھی اس کو اپنی بیوی بنا کر خوش رہ سکتا ہے۔

بالکل سچ، فلپ نے کہا، اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی نہایت ہی پیارے ہیں۔ ان کی تربیت بھی اچھی ہوئی ہے، مجھے اس کا یقین ہے کہ اس عورت نے ان کی تربیت میں کافی جد وجہد کی ہے۔

فلپ نے گھوڑے کے سم کو پھر ہاتھ میں اٹھا کر سائمن سے کہا، جاؤ، گھر دوڑ جاؤ۔ اور اپنی ماں سے کہو کہ میں اس سے چند ضروری باتیں کرنے کے لئے آج شام کو وہاں آ رہا ہوں

وہ کافی رات گزرنے پر وہاں گیا، رات، تاروں بھری درخشندہ رات، نہایت ہی حسین معلوم ہو رہی تھی، فلپ اپنے اتوار کے نفیس لباس میں آراستہ تھا، آج اس نے داڑھی بھی صاف کرلی تھی،

اس نے تین مرتبہ آہستہ آہستہ دروازہ پر دستک دی، جوان عورت باہر نکل آئی اور ذرا سرد مہری سے بولی،

یہ تو ملاقات کا مناسب وقت نہیں ہے، میں نہیں چاہتی کہ لوگوں کو اس بات کا موقع ملے کہ وہ میرے متعلق چہ میگوئیاں کریں۔

لیکن فلپ نے بے ساختہ کہا۔

اب تم میری بیوی ہو، اس لئے لوگوں کی کوئی پروا نہیں۔

سائمن سویا نہیں تھا، وہ اپنے باپ کے شب بخیر بوسوں کا انتظار کر رہا تھا...

...... ناگہاں اس نے بوسوں کی آواز سنی اور کچھ دھیمے سروں کی سرگوشیاں ...

پانچ منٹ کے بعد دو مضبوط ہاتھوں نے اسے گود میں اٹھا لیا اور اک گہری آواز نے کہا،

اب تم اپنے اسکول کے لڑکوں سے کہدو کہ تمہارا باپ فلپ رمی مشہور لوہار ہے، اب سے اگر کسی نے تم سے دست درازی کی جرات کی تو کہہ دو کہ اس کی زندہ کھال اتار لی جائے گی،

دوسرے دن جبکہ کلاس لڑکوں سے بھرا ہوا تھا، اور سبق شروع ہونے والا

ہی تھا، کہ چھوٹا سا ممن۔ اٹھ کھڑا ہوا، اور تھرّاتی ہوئی آواز میں بولا۔

سُن لو، میرا باپ فلپ بھی مشہور لوہار ہے، اب اسے اگر کوئی مجھے مارنے کی جرات کرے گا تو اس کی زندہ کھال اتار لی جائے

اس مرتبہ نہ کوئی ہنسا اور نہ کوئی بولا، کیوں کہ ہر شخص چھوٹا بڑا، بھی لوہار کو جانتا تھا اس بات میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہ تھی، کہ فلپ جیسا باپ ملنے پر، ہر لڑکا فخر کر سکتا ہے۔

---

# "بدنصیب لڑکی"

میں اس لڑکی کو جو اس مخصوص شام کو مجھے ملی تھی ہرگز نہیں بھول سکتا، کوئی آدھ گھنٹہ قبل سے میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ میرے ساتھ کوئی دلچسپ واقعہ ہونے والا ہے، اور مجھے ناکام نہ ہونا پڑا، شام کے دردناک واقعہ نے مجھ پر واضح کر دیا کہ کس طرح بہت سی بے قصور ہستیاں زندگی کی مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ اور اس کو صبر اور بے بسی کے ساتھ برداشت کرتی رہتی ہیں۔

بارہ کا گجر بج چکا تھا، لگاتار بارش کی وجہ سے۔ ابر آلود آسمان، بھیگی ہوئی زمین اور گلیوں میں ٹمٹماتے ہوئے چراغوں کی دھندلی روشنی نے مجھے اس قدر افسردہ اور پست کر دیا تھا کہ میں ڈاؤنٹیولی کو چھوڑ کر ووڈ رونوں کو چلا گیا۔

حسب عادت، بازاری چھوکریاں، اپنی تجارت کو فروغ دینے میں مشغول تھیں، دروازوں، اور محرابوں کے سایوں میں روپوش ہو کر، دلیری یا بزدلی سے راہ چلتوں

کو پھانسنے کی فکر کرتیں۔ کبھی کسی کا پیچھا بھی کر بیٹھتیں اور ان کے کانوں میں رکیک اور فحش الفاظ ڈال کر انھیں اپنی جانب متوجہ کرتیں، یہی نہیں بلکہ اپنی بیہودہ گفت گو اور زہر آلود سانس سے انھیں پریشان بھی کر دیتیں اگر ان باتوں کے باوجود بھی وہ انکار کر جاتا تو اسے بد دعائیں اور گالیاں دیتی ہوئی غصے سے مغلوب اور رنج سے بیقرار ہو کر وہاں سے کھسک جاتیں۔

میرا خیال ہے کہ اس قلیل مدت میں کوئی ایک درجن چھوکریوں نے میری آستین کھینچی ہوگی، ناگہاں میں نے تین چھوکریوں کو خوف زدہ ناک کی سیدھ بھاگتے ہوئے دیکھا سڑک پر ہنگامہ ہو گیا، میں فوراً اس خلفشار کی تہ کو پہونچ گیا۔ پولیس ان کی فکر میں تھی۔ دفعتہً میرے بازو پر کسی نے اپنا ہاتھ رکھ دیا، اور مجھے التجاؤں میں ڈوبی ہوئی

اک آواز سرعت کے ساتھ یہ کہتی ہوئی سنائی دی،

آہ مجھے بچاؤ، جلدی بچاؤ، مجھے تھانہ چھوڑ دو،

میں نے اس چھوکری کی صورت دیکھی، اس کی عمر کوئی بیس سال سے زیادہ نہ تھی حالانکہ اس کے چہرے سے شباب کی تازگی بہت کچھ زائل ہو چکی تھی، میں نے برجستہ اس سے کہا

تم میرے پاس آجاؤ۔

اس نے مجھے نیاز مندانہ اور لذت بخش نگاہوں سے دیکھا اور میرا شکریہ ادا کیا۔

ہم دونوں پہلو بہ پہلو پولیس کی قطار سے گزر گئے۔ جب ہم روڈ پر دونوں پہونچے تو میری ساتھی نے مجھ سے کہا۔

میرے ساتھ چلو گے،

نہیں۔

کیوں نہیں، آج تم نے میرے ساتھ وہ احسان کیا جس کو میں کبھی نہ بھولوں گی

میں نے اس سے جان چھڑانے کیلئے کہا۔

میں نہیں چل سکتا، کیوں کہ میری شادی ہو گئی ہے۔

تو اس سے کیا ہوا،

پیاری بچی، اصرار کیوں کرتی ہو، تمہیں تو بدبخت سے نجات مل گئی، اب مجھے جانے دو،

جس گلی میں ہم جا رہے تھے، وہ اب تاریک اور سنسان تھی، مجھے محسوس ہوا کہ میں گویا کسی مرطوب، ساید زمین کے اندرونی سطح پر کھڑا ہوں اور وہ آدادہ چھوکری مجھے اپنانا، میرے بوسے لیتا، اور مجھ سے چمٹ جانا چاہتی تھی، میری نفرت تیز ہو گئی اور میں نے بہائمیت کا انداز اختیار کر کے درشت لہجے میں کہا۔

چل دور ہو جا میرے سامنے سے اور مجھے نہ ستا،

وہ دفعتہً بلک کر بدحواسی سے رونے لگی۔

مجھے سکتا سا ہو گیا۔ صورت حال کو نہ سمجھ کر میں خاموش کھڑا ہو گیا اور یہ بھی نہ جان سکا کہ اب مجھے کیا کہنا چاہئے آخر میں نے نرمی سے پوچھا۔

تمہارا یہ حال کیوں ہے۔

وہ زار قطار روتی ہوئی بولی،

کاش آپ جان سکتے ہم میں سے اکثر کی زندگی ناخوش گوار ہے۔

تو پھر ایسی زندگی اختیار ہی کیوں کی۔

مجبوری ہے اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔

تو پھر کس کا قصور ہے!

مجھے اس چھوکری سے کچھ دلچسپی ہو چلی، چوں کہ مجھے کوئی دوسرا کام نہ تھا،

میں نے کہا،

اچھا تو اپنی کہانی سناؤ۔

"اس نے یوں سنائی"

جب میں سولہ برس کی تھی، تو میں کیراپل نامی ایک شخص کے ہاں ملازم ہو گئی۔ میری ماں اور باپ دونوں مر چکے تھے، اس دنیا میں نہ تو کوئی میرا دوست تھا نہ عزیز، میں معصوم بھی نہ تھی، گاؤں کی لڑکیاں ایسی بے گناہ نہیں ہوتیں جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے، بہت جلد مجھے پتہ چل گیا کہ میرے مالک کی نظر مجھ پر تھی حالانکہ وہ اک سن رسیدہ نیک چلن آدمی تھا اور اتوار کے دن عبادت بھی کیا کرتا تھا،

بہر حال ایک دن باورچی خانہ میں پہنچ کر اس نے مجھے حاصل کرنا چاہا میں نے انکار کیا اور وہ چلا گیا۔

ہمارے مکان کے سامنے ایک لبا طی رہتا تھا، جس کا نام ڈیٹن تھا اس کی دکان

میں ایک حسین چھوکرا رہتا تھا۔ اس نے مجھے پیار کرنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے اپنے کو اس کے حوالے کر دیا۔ . . . میں گھر کا دروازہ ہر رات کو اس کے لئے کھلا چھوڑ دیتی

لیبرا ٹل نے ایک رات ہمیں گفت گو کرتے ہوئے سن لیا۔ اور فوراً اوپر پہنچ کر میرے کمرے میں داخل ہو گیا، وہاں انٹونی موجود تھا،

دونوں گتھ گئے۔ اور ایک دوسرے کو مار ڈالنے پر تل گئے، میں کسی طرح جان بچا کر وہاں سے بھاگ نکلنے کے لئے بے چین تھی، اپنی چند چیزیں میکہ میں آخر قرار ہو گئی۔

مجھ پر صرف خوف طاری تھا، میں نے اضطراب میں روشن کی راہ پکڑ لی تھی ڈر یہ تھا کہ پولیس میرا پیچھا کر رہی ہو گی، کیونکہ ان دونوں میں سے کوئی نہ کوئی ضرور مر گیا ہو گا۔

کھلیان کے کتوں کے بھونکنے کی آواز بھی میرا کلیجہ دہلا دیتی تھی، خوش قسمتی سے رات اندھیری تھی، اور مجھے پیچھا کرنے والوں سے بھاگ نکلنے کا اچھا موقع تھا، ان سے بچنے کے لئے میں کسی گندے گڑھے تک میں بھی لیٹ جانے کے لئے تیار تھی،

بھوک نے مجھے ستانا شروع کیا۔ اب مجھے خیال آیا کہ میرا بیگ جس میں چند روپے میری کل کائنات تھے وہیں چھوٹ گیا۔

دوسرے دن بڑی گرمی تھی میں ایک کھلیان میں پانی مانگنے کے لئے جانا ہی چاہتی تھی کہ مجھے پیچھے کی طرف سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی میں مڑی، سوار سامنے موجود تھے،

میرا قلب زور زور سے دھڑکنے لگا۔ پھر بھی میں بڑی ہمت کر کے مطمئن نظر آئی۔

سواروں نے مجھے سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا، ان میں سے ایک جو زیادہ حسن تھا آگے بڑھا اور مجھ سے کہا:

دن بہ خیر مس۔

دن بہ خیر۔ جناب

آپ کہاں جا رہی ہیں۔

روشن کو میں وہاں نوکر ہوں۔

پیدل،

ہاں میں نے جواب دیا۔

مجھ میں اک مجنونانہ خیال کوشش کر کے ان سے بھاگ جانے کا پیدا ہو رہا تھا۔ کیونکہ میں سمجھ رہی تھی کہ میں دام بلا میں پھنس گئی، لیکن اس کوشش کا نتیجہ کیا تھا، اول تو وہ مرد تھے دوسرے سوار...... عورت کبھی اپنی حرفت سے باز نہیں آتی۔ حالانکہ مرد سمجھتے ہیں کہ عورتوں کو دماغ نہیں ہوتا۔

سوار نے نرمی سے کہا، ہم بھی اسی رستے پر جا رہے ہیں، کیا آپ ہماری معیت قبول کریں گی۔

میں آخر کہہ ہی کیا سکتی تھی، میں نے مسکرا کر کہا۔

آپ لوگوں کا ساتھ میری خاص مسرت کا باعث ہوگا۔

میں حتی المقدور رستے میں کافی زندہ دل رہی۔ میرا خیال تھا کہ میں نے سواروں کو دھوکا دیا

جب ہم ایک جنگل کے قریب پہونچے تو بڈھے نے آہستہ سے کہا۔
اگر ہم جنگل میں چل کر ذرا دم لے لیں اور کچھ بات چیت کریں تو آپ کو کوئی عذر تو نہ ہوگا۔ صاحبہ میں کرہی کیا سکتی تھی، مجبورًا راضی ہوگئی، اس نے اپنا گھوڑا دوسرے سوار کو دیدیا اور ہم جنگل میں داخل ہوگئے۔

کیا آپ کے خیال میں میں قابل الزام ہوں! بتائیے ایسی حالت میں، میں کرہی کیا سکتی تھی
اس نے مجھ سے وہ سب کچھ وصول کرلیا جس کی اسے خواہش تھی،

پھر اپنے گھوڑے کی خبر لینے کا بہانہ کرکے اور مجھے منتظر چھوڑ کے وہ وہاں سے چلا گیا۔
..... چند منٹ کے بعد اس کا دوسرا ساتھی اس کی جگہ پر آگیا۔

میں شرم اور غصہ سے رونے لگی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم پھر روئن کی طرف چلے، اس مرتبہ مجھ میں بولنے تک کی قوت نہ تھی میں بھوک سے اس قدر نڈھال تھی کہ مجھے چلنا دوبھر تھا۔ خیریت یہ ہوئی کہ کسی گاؤں سے گذرتے وقت سواروں نے مجھے شراب کا ایک گلاس پلا یا۔
جس سے میں کچھ تازہ دم ہوگئی راستے میں وہ ہم سے رخصت ہوکر یراں تن کو چلے گئے۔
میں کوئی اور تین گھنٹے تک روئن کی جانب چلتی رہی، سات بجے شام کا وقت تھا جب میں، وہاں پہونچی مجھے خبر نہ تھی کہ کیا کروں اور کہاں جاؤں، آہ گاؤں کی غربت اور مصیبت بھی شہر کی غربت اور مصیبت سے کہیں اچھی ہے وہاں کچھ نہیں تو سونے کے لئے نرم نرم گھاس پھر تازہ ہوا،

اور چڑیوں کی چہکار تو ہے، شہر میں کیا دھرا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
میرے اعضا شدت درد سے جواب دے رہے تھے اس پر طرہ یہ کہ بارش
تیز ہونے لگی، ہلکی ہلکی، دھندھلی، گہرے میں بھری ہوئی پھوار ٹھیک آج
کی رات جیسی پھوار پڑنے لگی، میں نے ہمیشہ دیکھا ہے کہ بارش کے دن میری بدقسمتی
کے دن ہوتے ہیں۔

اس کے سوا میں اور کچھ نہیں کر سکتی تھی اور مجبوراً میں نے وہی کیا، میں اس
گلی میں گئی جہاں عورتیں دوکان حسن کھولے بیٹھی تھیں، میں نے بھی ان کی تقلید کی۔
پہلے تو کسی مرد نے میرے اشاروں کا جواب نہ دیا۔ میں شرم سے پانی
پانی ہو گئی۔ مجھے اس کا کچھ بھی ہوش نہ تھا، کہ میں کیا کہتی اور کیا کرتی تھی۔
میری امید بر آئی بہت جلد ایک شخص میرے پاس آیا اور مجھ سے پوچھنے
لگا کہ تم کہاں رہتی ہو۔

بھوک کی تکلیف نے مجھے چالاک بنا دیا تھا، میں نے فوراً ہی جواب دیا
میں تمہیں اپنے گھر نہیں لے جا سکتی۔ میری ماں میرے ساتھ رہتی ہے۔۔۔
کیا یہاں ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں ہم جا سکیں۔
ہاں ہے، اس نے کہا، میں ایک چھوٹے سنسان مقام کو جانتا ہوں جہاں
کوئی خلل انداز نہ ہوگا۔
ایک پل سے گزر کر، ہم دریا کے کنارے ایک مرغزار میں پہنچے۔۔۔۔

میں اتنی تھک گئی کہ پھر مجھے ہوش نہ رہا اور میں سو گئی۔

جب میں بیدار ہوئی تو اس کو وہاں نہیں پایا۔ بے ایمان! میرے لیے وہ ایک پیسہ بھی نہ چھوڑ گیا...... میں اس دن سے وجع مفاصل کے بخار میں مبتلا ہو گئی جس کی شکایت مجھے کبھی کبھی ہو جاتی ہے

پولیس کے دو سپاہیوں نے مجھے بیدار کیا، اور سوالات شروع کر دئے بُرے نتیجہ کے خیال سے میں نے اپنا سچا حال ان سے بیان کیا۔ مجھے ایک جج کے سامنے پیش کیا گیا، میری حسین صورت نے مجھے قید کی سزا سے بچا لیا، جب کچہری سے باہر نکلی تو جج صاحب کے ایک اہل کار نے مجھے ایک پرزی دی اور زبانی بھی کہا...... کہ آج شام کو جج صاحب کی کوٹھی پر میری طلبی تھی،

واپس آتے وقت جج صاحب نے مجھے پانچ روپیے یہ کہہ کر دئے تمہیں ہر مرتبہ یہی رقم ملا کرے گی، لیکن ہفتہ میں دو بار سے زیادہ آنے کی ضرورت نہیں بڈھا، خبیث، منیڈر،

نوجوان مرد، خوش تو ضرور کرتے ہیں، لیکن تھکا بھی دیتے ہیں، طبیعت اگر قبول کرے تو بڈھے زیادہ فائدہ پہونچاتے ہیں۔

میں نے اب پیاروپ بھرا، اور رمالن کے لباس میں گھومنے لگی۔ ہر شام کو کوئی نہ کوئی شکار ضرور پھنسا لیتی، میرا یہ زمانہ، بہترین زمانہ تھا، افسوس یہ ہے، کہ اس کی مدت بہت قلیل تھی، پھر بھی میں شکایت نہیں کرتی، اچھا وقت ہمیشہ

قائم نہیں رہتا۔

قسمت نے میرا تعارف، ایک عیش نواز امیر بڈھے سے کرایا۔ وہ مجھے ایک شام کو، طعام شب کے لئے قریب ہی کے اک ہوٹل میں لے گیا، وہ اپنی اشتہا میں اعتدال قائم نہ رکھ سکا، کھانے کے اختتام پر اُسے بے ہوشی کا دورہ ہوا۔

میرے پاس نہ تو کارڈ تھا اور نہ میں نے اپنا نام شاہدان بازاری کے رجسٹر میں درج کرایا تھا، اس قصور پر مجھے تین ماہ قید کی سزا بھگتنی پڑی،

اب میں یہاں چلی آئی۔

یہاں کی زندگی سخت اور ہولناک ہے، یہاں زندہ رہنا بھی مشکل ہے اکثر بھوکا ہی سو رہنا پڑتا ہے ہماری جنس کے لوگ، یہاں بہت زیادہ ہیں، اور یہ کاروبار لئے بہت ہی بُرا ہے، کیوں؟

زندگی کا یہی رنگ ہے!!

وہ خاموش تھی، اور میں اس کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا، میرے دل میں رحم اور ہمدردی کے جذبات ابھر رہے تھے، یکایک وہ چونک کر بولی،

پیارے، کیا تم میرے ساتھ نہیں چلو گے،

نہیں میں نے تو تم سے پہلے ہی کہہ دیا۔

اچھا تو رخصت، تمہاری مہربانیوں کی میں پھر بھی شکر گزار ہوں،

مجھے تو کوئی رنج نہیں ہے، لیکن آجاتے تو اچھا تھا، تم غلطی کر رہے ہو اور اس

کا تمہیں احساس بھی ہے۔

وہ چلی گئی، برستے ہوئے پانی میں چلی گئی۔ بارش کے سیاہ نقاب نے اسے چاروں طرف سے گھیر کر سمیٹ لیا۔

حمید نے اسے ایک بھڑکتے ہوئے لیمپ کے پاس سے گزرتے اور تاریکی میں گم ہو جاتے ہوئے دیکھا،

"بد نصیب لڑکی"

# احمق

میں ٹیونس سے کورسیکا کو جا رہا تھا۔ لیبیا جانے والے جہاز پر سوار ہوتے ہی
میری نظر اک نہایت ہی حسین عورت پر جا پڑی جو کہ جہاز کے ستون کا سہارا لیکر
سمندر کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی، وہ صرف حسین ہی نہ تھی بلکہ حد درجہ
جاذب نظر شخصیت کی حامل تھی۔ میری توجہ فوراً اس کی جانب مبذول ہو گئی، میں
نے خیال کیا کہ یہ ہوگی ہماری دلچسپ ہم سفر،

اسے اچھی طرح دیکھنے کی غرض سے میں اس کے سامنے والی نشست پر بیٹھ گیا

اس کے لباس کی تفصیل اور اس کے ناز و انداز کو میں غور سے مشاہدہ کرنے لگا۔ اس نے
ایک نہایت چھوٹی سی کتاب نکالی، میں نے اس کا سرورق نظر بچا کر پڑھ لیا۔ یہ کوئی
اخلاق آموز کتاب تھی، حسینہ اس کتاب میں مستغرق نظر آئی۔

میں نے دل ہی دل میں خیال کیا کہ یہ تو کوئی اخلاق پسند خشک مزاج عورت ہے

لیکن اس کے چہرے کا انداز اس بات کے منافی تھا، وہ ہرگز زاہد خشک نہ تھی میں نے اپنا شستہ مذاق طبیعت اور اپنی شگفتہ مزاجی جتانے کے لئے فیلکس فرانک کی مشہور کتاب "محبت کے نغمے" کو نکال کر سامنے رکھ لیا۔

اس نے بھی میری کتاب کے سرورق پر نہایت تیزی سے نظر دوڑائی۔ پھر اپنی کتاب پڑھنے لگی، ختم کرنے کے بعد اس نے اپنی کتاب ہمارے درمیان میں رکھ دی۔

میں نے سرنیاز خم کرتے ہوئے کہا۔

کیا میں آپ کی اس کتاب کو دیکھ سکتا ہوں،

ضرور اس نے کہا،

اور کیا میں نظموں کی یہ چھوٹی کتاب آپ کو پیش کر سکتا ہوں،

یقیناً اگر کتاب دلچسپ ہے۔

میں شاعری کے متعلق ایسے غیر متوقع سوال کو سن کر متحیر ہو گیا،

یہ دلچسپی سے کچھ افزوں تر ہے میں نے کہا، یہ کتاب نہایت لذت آفریں اور شاہکار فن ہے، تو پھر مہربانی فرما کر مجھے دے دیجئے، اس نے کہا۔

اس نے کتاب کو لیکر کھولا، اور پڑھنا شروع کیا، پڑھتی جاتی تھی اور موقع موقع سے ہنستی جاتی تھی۔

آپ کو پسند ہے یہ کتاب، میں نے مشکوک آمیز انداز میں پوچھا۔

ہاں مجھے لذت آفرین چیزیں مرغوب ہیں، میں فطرتاً تخیل پرور عنیق ہوں۔

اب جمود دور ہو گیا۔ اور ہم دونوں آزادی کے ساتھ باتیں کرنے لگے وہ اجاکیو کے سیلز سواروں کے کپتان کی بیوی تھی اور اپنے شوہر کے پاس جا رہی تھی، باتوں ہی باتوں میں مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا، کہ اسے اپنے شوہر سے بچی محبت نہ تھی، جیسا کہ اکثر عورتوں کا لائحہ عمل ہوتا ہے وہ بھی اپنے شوہر سے ظاہر داری اور مصلحت کی بنا پر محبت کیا کرتی تھی، وہ ذاتی طور پر فرانس میں رہنا چاہتی تھی، جہاں اس کے کل عزیز و اقارب تھے، مگر مجبوراً اسے کارسیکا کے جنگلوں میں جانا اور رہنا پڑا تھا۔

اس نے مجھ سے پوچھا، آپ کو پیرس پسند ہے؟

میں نے ہنس دیا۔

پھر وہ خود پیرس کے متعلق ایسے جنون نواز انداز، حسرت اور انہماک سے گفتگو کرنے لگی کہ میں نے دل ہی دل میں کہا،

"اب مجھے ساز کے صحیح نغموں کو چھیڑنے کا موقع ہاتھ آ گیا، وہ صوبوں کی دوسری افسانہ عورتوں کی طرح خود بھی پیرس کی دلدادہ تھی، اور مرغ قفس گرفتہ کی طرح وہاں اڑ جانے کے لئے بیتاب۔

کچھ پیرس کا تو ذکر کیجئے، اس نے التجا کی۔

وہ پیرس کے متعلق صرف پانچ منٹ کے اندر سب کچھ جان لینا چاہتی تھی، وہ نہ صرف وہاں کے تمام مشہور لوگوں کا نام جانتی تھی بلکہ چند ایسوں کو بھی جانتی تھی جن کا نام بھی میں نے نہیں سنا تھا"

آپ نے سافو، کو تو یقینی پڑھا ہو گا۔ اس نے کہا، کیا آپ وانڈٹ کو جانتے ہیں؟ کیا حقیقت میں وہ حسین ہے، ہاں تو سافو، کی عاشق ہوں۔ ہاں نووآ، لیکن وہ مجھ میں جذبات، غم پیدا کرتا ہے۔ پال بورگٹ اس کے ناولوں پر میری اک چچیری بہن دیوانی ہے، میری بہن کا خیال ہے کہ وہ بورگٹ کے ہیروئن سے ملتی جلتی ہے چنانچہ اس مشابہت کے متعلق اس نے اسے خط بھی لکھا، رہا کاکلن مشہور ایکٹر، لوگ کہتے ہیں کہ وہ ــــــ،

کوئی گھنٹہ بھر کے بعد اس کے سوالات ختم ہوئے میں نے حتی المقدور اس کی تشفی کر دی پھر اپنی داستان سنانے لگا۔

میں نے پیرس، فلیشن نواز پیرس کی رام کہانی چھیڑ دی، اور وہاں کے پوشیدہ راز اس کے سامنے کھول کر رکھدیئے، محبت کی باتیں نفسانی ملاقاتیں۔ باہمی عداوتیں، اور مذموم حرکتیں سنائیں، وہ ان تمام چیزوں کو بیچ بیچ میں یہ اعتراض کرتی ہوئی بلا تکلف غٹ غٹ پی گئی۔

کیا دنیا واقعی ایسی ہے، کیا لوگ حقیقت میں ایسا کیا کرتے ہیں؟

میں شرارت سے مسکرا کر بولا،

ہاں صرف پست خیال اور دہقانی دماغ رکھنے والے لوگ اپنے آبرو کی حفاظت کیا کرتے ہیں۔ لیکن وہ بھی دل ہی دل میں پوشیدہ طور پر عصمت فروشوں کی مسرت کا حسد کیا کرتے ہیں۔

جس طرح لکڑی کاٹنے والا درخت پر ضرب پر ضرب لگاتا جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح میں نے اس کی عصمت کی بنیاد کو کھود کھود کر کھوکھلا کرنا شروع کیا، میں نے کہا کہ دنیا میں کتنی ہستیاں ایسی ہیں جو زندگی کا لطف اٹھائے بغیر دامِ عشق میں گرفتار ہوئے اور بغیر اس لذتِ نفس کا مزا لوٹے ہوئے جو کہ شوہروں کو دھوکا دیکر شجرِ ممنوعہ کا پھل چکھنے کے کام میں لائی جاتی ہے، اپنی اپنی قبروں میں آرام سے سو رہی ہیں میں نے لذتِ نفس کے حملے پر کافی زور دیا چونکہ میں جانتا تھا کہ اس کا بہت اثر اس کے دل پر ہوگا۔

پھر میں نے محبت کے ان افسانوں اور چال بازیوں کا تذکرہ کیا جو خاص کر ہوٹلوں کے اندر ہوتی جاتی ہیں۔ آخر میں اسے چوری سے حاصل کی ہوئی الفت کی لذت بخش حکایتیں سنائیں۔

اب جہاز کے تختوں پر خاصا اندھیرا تھا، فضا خاموش اور گرم تھی، آسمان کے پر زنگاری میں ستارے جڑے تھے، جہاز کا سفینہ انجن کی دھمک سے دھڑک رہا تھا، میری حسین ساتھی خاموشی کے ساتھ کبھی کبھی ٹھنڈی سانس بھرتی تھی،

دفعتہً وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی۔

میں اب سونے جا رہی ہوں۔ شب بخیر۔

ہم نے ہاتھ ملائے۔

اچھا! کوئی پروا نہیں۔ ابھی کل کا دن تو درمیان ہے۔ گھوڑا اگاڑی کو مار دوں

کے راستوں سے گزرنا ہوگا، اور اجاگیو پہونچنے تک وہ رات بھر چلتی رہے گی۔

صبح ہوتے ہی میں نے گاڑی کی تین جگہیں اپنے لئے مخصوص کرلیں۔ رات کے قریب جبکہ گاڑی لبستیا سے روانہ ہونے کو تھی کہ کوچبان میرے پاس آیا اور بولا۔

کیا آپ اپنی ایک نشست ایک معزز خاتون کو دے سکتے ہیں۔

کس خاتون کو، میں نے درشت لہجہ میں دریافت کیا۔

ایک افسر کی بیوی کو۔ وہ اپنے شوہر کے پاس اجاگیو جارہی ہے۔

مہربانی کرکے اس خاتون کو مطلع کردو، کہ اس کی معیت میری بے حد خوشی کا باعث ہوگی،

حسینہ نے میرا شکریہ اک عجیب انداز سے ادا کیا اور گاڑی میں داخل ہوگئی۔

ہم دونوں اس تنگ اور تاریک گاڑی میں تنہا تھے۔ گھوڑے اچھی خاصی تیز دلکی چلنے لگے، اور بہت جلد کوہستانی فضا میں پہونچ گئے۔

میں چپکے چپکے اسے پیرس کی عاشقانہ حکایتیں سنانے لگا۔ داستان عشق کی درازی کے ساتھ ساتھ میری دلیری اور رات کی تاریکی بڑھتی جارہی تھی، اور میرا اوام تیز تر ہوتا جارہا تھا، نوبت یہاں تک پہونچی میں اپنی ہم سفر کا چہرہ بھی نہیں دیکھ سکتا تھا، کبھی کبھی پہاڑ سے نیچے گرتے ہوئے آبشاروں کی آواز سنائی دیتی، اب میں نے آہستہ آہستہ اپنا پاؤں بڑھا کر اس کے پاؤں سے ملا دیا۔ اس نے اپنا پاؤں ہٹایا نہیں، میں نے ہمت کرکے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، اس نے چھڑانے کی کوشش

نہ کی۔ میری سانسیں اس کے کان اور منہ پر پنکھا کرنے لگی میں نے اب اس کے قلب کی

دھڑکن اپنے قلب پر محسوس کی۔

میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اب اسے صرف کھینچ......

جب میں نے اپنے لب اس کی گردن پر رکھے تو وہ نیند سے چونکتی ہوئی معلوم ہوئی

مجھے اس کا ذرہ برابر بھی گمان نہ تھا کہ وہ سو رہی تھی، قبل اس کے میں جانوں کہ کیا ہو رہا

ہے، اس نے پانچ چھ چھوٹے چھوٹے مگر تیز گھونسے رسید کئے۔ پھر تو میں اولے برسنے

لگے ہیں اندھیرے میں ٹٹول کر اس کا ہاتھ تھام لینا چاہتا تھا مگر وہ ہر مرتبہ بچ نکلتی

آخر کار میں رنج اور ندامت سے مجبور ہو کر ہار مان گیا، اور پیٹھ پھیر کر اپنے کمبل میں سمیٹ

لیا۔

جب وہ سمجھ گئی کہ میں نے کیا کیا تو گھونسوں کی بارش یک بہ یک رک گئی۔

کوئی آدھے گھنٹے کے بعد میں نے اس کی شدت سے رونے کی پیوستہ آواز سنی،

میرے دل پر اک نشتر سا لگا۔ میں اسے تسکین دینے کی کوشش کرتا اور اس سے

معافی بھی مانگ لیتا لیکن میرا خیال تھا کہ وہ میرے اس جرات کو ٹھکرا دے گی اس

لئے میں خاموش رہا۔ آخر اس کا رونا بند ہوا۔ چوں کہ ہم دونوں کافی تھک گئے تھے

اس لئے چپ چاپ سو رہے

اگر میری حسین ساتھی، کچھ زیادہ ہی...... سمجھدار ہوتی، تو یہ سفر کیسا خوشگوار ہوتا

صبح کی روشنی میں نیلی گوں سمندر کا حسین منظر دل کھینچنے لگا اجاکیو کا سفید شہر،

شفق آلود آسمانی کہساروں میں محیط نظر آیا۔

میری ہم سفر جو اب تک سونے کا بہانہ کئے پڑی تھی اک انگڑائی لیکر اُٹھ بیٹھی، پہلے تو اسے کچھ اغماض ہوا، پھر شرمائے ہوئے انداز میں تتلا کر بولی

کیا اب ہم وہاں جلد پہونچ جائیں گے۔

تقریباً گھنٹہ بھر میں۔

رات کا سفر ایسی گاڑیوں میں، سخت تکلیف دہ ہوتا ہے، ہے کہ نہیں؟

بہت ہی تکلیف دہ، دیکھئے میری پیٹھ اب تک تختہ ہے۔

تو کیا وہ..... وہاں اجاکیو ہے، کاش میں وہاں اڑ کر پہونچ جاتی

آپ کی بے قراری بجا ہے!

وہ کچھ یوہیں سا جز بز ہوئی، عورتیں کس قدر چالاک اور سکون پسند ہوتی ہیں، اس صنف کی معمولی فرد بھی، پیدائشی اداکار ہوتی ہے۔

اجاکیو سامنے آگیا۔ اسٹیشن کے قریب پہونچتے ہی میں نے ایک رستم نژاد سوار کو دیکھا وہ دیوانوں کی طرح اپنا رومال ہلا رہا تھا۔

اُسے دیکھتے ہی میری حسین ہم سفر اچھل کر کود پڑی اور اس کے بازوؤں میں پوشیدہ ہو گئی۔ آہ میری خوشی کی انتہا نہیں۔ میں تمہیں دیکھنے کے لئے کس قدر تڑپ رہی تھی، وہ زور زور سے بولی، میں اپنا اسباب لیکر خاموشی سے کترا کر نکل جانے والا ہی تھا کہ وہ پکار کر بولی۔

کیوں، کیوں! کیا مجھ سے رخصت ہوئے بغیر ہی چلے جائے گا۔

پھر اپنے شوہر سے متوجہ ہوئی۔

پیارے، ان کا شکریہ ادا کرو، یہ حیرت خیز سرگرمی کے ساتھ جہاز کے سفر میں مجھ پر مہربان رہے گاڑی میں بھی انھوں نے اپنی مخصوص جگہ میرے لئے خالی کر دی...... میں اپنے ہم سفر ساتھیوں کے متعلق ہمیشہ خوش قسمت رہی ہوں

اس کے شوہر نے مجھ سے کشادہ پیشانی کے ساتھ مصافحہ کیا، اور بڑے انہماک کے ساتھ میرا شکریہ ادا کیا۔ اور اس کی بیوی مجھے زیر لب تبسم کے ساتھ دیکھتی، غور سے دیکھتی رہی۔

— اپنی ساری زندگی میں، میں کبھی ایسا بے وقوف نہیں بنا تھا۔

# موسم بہار کا ایک دن

آفتاب کی تیز کرنوں کی روشنی میں موسم بہار کی لطف آفرینیاں انسان سے عجیب عجیب حماقتیں کراتی ہیں، میں نے آفتاب کی مثال جان بوجھ کر دی ہے۔ ان دنوں سورج کی شعاعیں، ہلکی معتدل اور مسرت نواز ہوتی ہیں، ہوا کی تازگی اور آسمان کی نیل گوں تنتنا منکر عیش تک کو شاعری کا نغمہ گنگنانے پر مجبور کرتی ہے تاہم کتنے لوگ ایسے ہیں جن کی خشک مزاجیاں موسم بہار کی رعنائیوں پر غالب رہتی ہیں۔

چند سال قبل، مئی کے مہینے میں جب موسم بہار اپنے شباب پر تھا، میں نے پیرس سے نکل کر کسی دیہات کی کھلی فضا میں جانے کی اک ناگزیر خلش محسوس کی، میں نے اپنی خواب گاہ کے پردوں کو اٹھا دیا، آفتاب کی درخشاں شعاعوں کا سیلاب میرے کمرے میں آگیا، میں نے کھڑکیاں کھول دیں، معطر نسیم دبے پاؤں داخل ہو گئی، باہر سڑکوں پر لوگ گپیں ہانکتے اور قہقہے لگاتے تھے۔ عورتیں ہری بھری نظر آتی تھیں گویا، رومانیت کی تمنائی اور دل چسپیوں کی طلب گار تھیں،

میں ناشتہ کر کے فوراً باہر نکلا اور ٹہلتا ہوا دریائے سین کے کنارے تک چلا گیا
چھوٹی چھوٹی دخانی کشتیاں سمینس کی سمت جا رہی تھیں، اک غیر معمولی کشش نے
میرا دامن پکڑ لیا، اور میری خواہش وہاں جانے اور قریب کے سنسان جنگل میں
دن گزارنے کی ہوئی۔

اک چھوٹی کشتی، زندہ دل بے فکروں سے بھری تھی، سب کے سب بے تکلفی
سے باتیں کر رہے تھے، میں نے پہلے سمینہ کی جانب نظر ڈالی، میرے نقطۂ نگاہ سے
اگر وہاں کوئی سامان دلچسپی دکھائی نہ دیتا تو میرہ پر قسمت آزمائی کی جاتی، شاید
وہاں کام یابی سے ہم کنار ہو جاتا۔

زیادہ زحمت نہ اٹھانی پڑی، مجھے داہنی جانب اک خوش گوار ہستی دکھائی
دی، وہ اک متوسط الحال عورت تھی، اور اک خوب صورت سر کی مالک،
تبسم پر حسین، چمک دار، گھونگھریالی زلفیں بڑی پیاری تھیں، میں پوری توجہ سے
اس کو گھورنے لگا، اس نے بھی یک بہ یک پلٹ کر مجھ کو دیکھا آنکھیں ملتے ہی شرما گئی، سر جھکا
لیا اور تبسم کے فوری جذبات کو روکنے پر قادر ہو گئی۔

شاید یہ تبسم موسم بہار کی حسین خوش گوار ادا، یا آزادی کی عام فضا کے
زیر اثر تھا، یا شاید اس میں کوئی اور راز پنہاں تھا۔ بہر حال واقعہ یہ ہے کہ جب اس
نے مجھے دوسری بار دیکھا تو وہ قطعی مسکرا رہی تھی، اف، اس تبسم نے حسن کی تمام خصوصیات
کو نمایاں کر دیا، اور اس کی ہر ہر ادا دل میں اتر گئی، اس وقت وہ حقیقت میں دلربائی

کا پتلا تھی، میں نے ٹھان لی کہ اسے ہاتھ سے جانے نہ دوں گا۔

میں اسے مخاطب ہی کرنا چاہتا تھا، کہ کسی نے میرے شانے پر اپنا ہاتھ رکھدیا
میں تعجب سے مڑ کر، دیکھنے لگا وہاں مجھے، اک معمولی حیثیت کا آدمی نظر آیا، وہ
مجھے مغموم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا،

میں آپ سے کچھ کہنے کے لئے بیقرار ہوں، اُس نے کہا،
غالباً میری صورت سے بے صبری نمایاں تھی، کیوں کہ وہ فوراً ہی بول اٹھا،
"بہت ہی اہم بات ہے"،
میں اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ کشتی کے دوسرے کنارے پر چلا گیا، وہ فوراً
اپنے مطلب پر آگیا اور جرت زا لفظوں میں یوں گویا ہوا،
محترم، کیا غضب ہے کہ موسم سرما کی آمد پر جب ٹھنڈی ہوا چلنے لگتی ہے
اور اولے اور برف گرنے لگتی ہے تو ڈاکٹر آپ کو اُن خطروں سے متنبہ کرتا ہے جو لاپرواہی
میں ٹھنڈک لگ جانے سے آپ کی صحت میں خلل انداز ہوتے ہیں، لیکن جب فصل بہار
اپنا اغوائی انداز جلو میں لئے آپ کے جذبات کو بیدار اور احساس جنس کو برانگیختہ اور
بیقرار کرتی ہے تو کوئی بھی آپ کو اس خطرے سے آگاہ نہیں کرتا، اور نہ یہ کہتا ہے۔
"بہار کے جعلی سکوں سے خبردار،، اس دشمن عشق سے ہوشیار، جو تمہاری گھات
میں ہے اور ہر راہ رو کو اپنے دام تزویر میں گرفتار کرنے پر آمادہ ہے.........
حالاں کہ یہ خطرہ زیادہ خوفناک ہے، اس کی پیدا کی ہوئی مصیبتوں کا کوئی

علاج نہیں ہے۔ نمونیا اور کھانسی کے امراض سے تو نجات بھی مل جائے لیکن اس
بیماری سے ناگہر چھٹکارا مشکل ہے،
ہاں جناب، میرے خیال میں حکومت کو چاہئے کہ ہر موسم بہار کی آمد پر ذیل
کے قسم کے اشتہار دیواروں پر چسپاں کرا دے،
" ملک والو ہوشیار ہو جاؤ، فصل بہار واپس آ گئی، بچے رہنا، یہ بہت ہی
خوفناک زمانہ ہے"،
اس کی اشاعت بھی اسی انہماک سے ہونی چاہئے جیسا کہ اس قسم کے
نوٹس کی ہوا کرتی ہے۔
رنگ سے ہوشیار رہو، گھاس سے دور رہو، وغیرہ وغیرہ،
چونکہ حکومت ایسا نہیں کرتی، لہٰذا میں خود اس کام کو کروں گا، میرا خیال
ہے کہ پہاڑ کی چوٹی پر سے سر ٹکتے والے انسان کو متنبہ کرنے کا حق مجھ کو حاصل ہے
اس عجیب شخص کی باتوں سے میں کچھ ایسا خبر بز ہوا۔ کہ کامل ایک منٹ تک
میرے حواس مختل رہے، آخر، اپنے کو سنبھال کر میں نے خود دارانہ انداز میں کہا،
معاف کیجئے آپ کی دخل در معقولات بے محل ہے
وہ فوراً بول اٹھا،
اچھا تو اب میں آپ کو اپنی کہانی سناتا ہوں، تب آپ کو معلوم ہوگا کہ میں نے
آپ سے ایسی گفتگو کیوں کی،

سُنئے! خود مجھ پر بھی یہی آفت سال گذشتہ نازل ہوئی۔ میں بحری محکمے میں ملازم تھا اور روز بروز اپنے کام سے گھبراتا جا رہا تھا آخر ایک دن مجھ میں اور میرے افسر اعلیٰ میں جھڑپ ہو گئی، وہ بگڑ کر بولا۔

یا تو تم ہر وقت کام کے لئے تیار رہو، یا نوکری سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ تم سے زیادہ ایثار کرنے والے وطن کے شیدا، بہت سے موجود ہیں......

مجھے منہ مانگی مراد مل گئی میں نے ٹوپی اٹھائی اور وہاں سے نکل گیا،

وہ دن بھی آج ہی کی طرح حسین اور جذب آفریں تھا، میں نے ٹھان لی تھی کہ آج فکر کو بالائے طاق رکھ دوں گا اور گلچھرے اڑاؤں گا، میں ایک دخانی کشتی پر سنٹ کلاؤڈ کو چلا، میں خوشی سے پھولے نہیں سماتا تھا اور مسرت میں روز روشن کی درازی کی طرح کھلا جا رہا تھا، با ایں ہمہ میرے دل میں کچھ خلش سی تھی، میں اس وقت ٹھیک نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کون سی ٹیس تھی لیکن اب جان گیا ہوں، فطرت اپنا دام بچھا رہی تھی،

ناگہاں ایک عورت چھوٹا سا پارسل اپنے ہاتھ میں لئے میرے سامنے آ گئی...
......یہ جملہ معترضہ ہے لیکن یہ بات حیرت خیز ہے کہ موسم بہار میں عورتیں کیوں اس قدر جاذب نظر ہو جاتی ہیں...... ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا، اسی طرح جس طرح چند منٹ قبل آپ اس کو اور وہ آپ کو دیکھ رہی تھی...... آخر یہ ہونا ہی تھا ہم دونوں باتیں کرنے لگے۔

اس میں شک نہیں کہ وہ عورت تھی دل کش۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی منٹ میں میں سر سے پاؤں تک اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا، وہ بھی سنسٹ کلاؤڈ جا رہی تھی، پھر کیا تھا، ہم کشتی سے ساتھ ہی اترے اور پہلو بہ پہلو سیر کے لئے نکل گئے۔

چلو جنگل کے اندر چلیں، میں نے کہا وہاں کی فضا جاذب اور خنک ہو گی۔

بہت اچھا اس نے سرگرمی سے کہا، اور ساتھ ہی ساتھ مجھے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھنے لگی، ایسی نگاہ غلط انداز سے جس میں عورت اپنے نقطہ نظر سے مردوں کو تول لیتی ہے۔

اب ہم دونوں ساتھ ساتھ ہاتھ میں ہاتھ دیکر لڑکوں کی طرح دوڑ رہے تھے، بات مضحکہ ہے لیکن سمجھ دار آدمی بھی کبھی کبھی ایسی احمقانہ حرکت کر بیٹھتا ہے اب وہ چل نکلی اور جذبات سے بھرا ہوا ایک گیت اس سرزمین کے گلو گنگنانے لگی جہاں نارنگی کے پھول شگفتہ ہو کر اپنی بہار دکھاتے ہیں، اگر تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو فصل بہار میں کسی حسین عورت کے ساتھ جنگل کے سیر کو نہ جاؤ خصوصاً جب وہ سنبت لگا رہی ہو۔

اب وہ بظاہر تھک گئی تھی، دم لینے کے لئے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی میں بھی اس کے پاؤں کے پاس جا بیٹھا اور اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا، اس کے ہاتھوں سے محنت کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے خیال کیا، ہو نہ ہو یہ کوئی غریب گر محنت ایماندار عورت ہے ..... میرا خیال کہ عورت محنت، مزدوری، سینا پرونا کرتی ہے وہ دوسری خود نمائی سے زیادہ پاک اور پاکیزہ ہے کس قدر حماقت آمیز ہے۔

مزدوروں کے گھر تو ہر قسم کی گندہ باتوں اور عصمت شکن سرگوشیوں سے معمور ہیں وہاں ایسی ایسی چھوکریاں اکٹھا رہتی ہیں جن کے گناہ کی فرد سیاہ ہے، اور سیاہ ہو رہی ہے، وہ بہر نوع نیم بازاری ہیں۔

اب ہم نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں...... آہ، عورتوں کی آنکھیں بھی کس قدر فریب آمیز ہوتی ہیں، وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں ہر بات کا وعدہ کرتی ہیں پھر بھی آپ پر حکومت کرتی ہیں۔ اور آپ کو اپنا غلام بنا لیتی ہیں...... غضب تو یہ ہے کہ اس ادا کو وہ "تفسیر روح" سے تعبیر کرتی ہیں کہتے ہیں کہ آنکھیں روح کی روزن ہیں، ایسا ہے تو پھر کیوں اس روزن سے ہم اس ناپاک اور گندے مکان کو نہیں دیکھ سکتے،

میں نے اسے اپنی آغوش میں لینا چاہا۔ لیکن وہ مانع ہوئی۔ اب میرے محسوسات مشتعل تھے، میں گھٹنے ٹیک کر اسے جوش سے سرشار، جذبات سے پُر محبت کے نغمے سنانے لگا...... واقعہ تو یہ ہے کہ مرد محبت کے معاملے میں بالکل انیلا ہے بالا ہمیشہ عورت ہی کے ماتحت رہتا ہے، میں جانتا ہوں کہ میں بلا تکلف اس عورت پر دست تصرف دراز کر سکتا تھا، لیکن مجھ کو عقل چھو نہ گئی تھی، میں نے اس کی محبت حاصل کرنی چاہی، اور اس کے ساتھ نرمی اور شفقت برتی۔ یہ محض تضیع اوقات تھی، میں اس سہ گرانی سے بچ سکتا تھا، لیکن اپنی حماقت کو کیا کہئے............

...... بہر حال اس نے مجھے کھڑے ہو جانے اور کچھ دیر اور ٹہلنے پر مجبور کیا، آخر کار ہم

لوٹ کر میریں جانے والی کشتی پر سوار ہو گئے۔

اس نے اقرار کیا کہ ایسی دلچسپ شام اسے کبھی اور میسر نہ آئی تھیں، یہ گویا میری تالیف قلب تھی،......

میں وہ میرے انوار کو پھر اس سے ملا...... اور اس کے بعد والے انوار کو بھی..... اب میں اسے تمام اپنے ساتھ ساتھ لئے پھرتا، میری رگ و پے میں اس کی محبت سرایت کرتی جاتی تھی،...... تین مہینے کے بعد میں نے اس سے شادی کرلی،

آہ..... میں تنہا تھا، میرا کوئی مشیر نہ تھا،...... تاہم میں آپ جیسا نوجوان بھی نہ تھا، جناب ابتدا ہی سے ہم دونوں کی زندگی دشوار ہو گئی، وہ تمام دن بکا کرتی، دوسروں کے ساتھ ہمارے تعلقات کیا اور کیسے ہیں۔ ان پر بحثیں کیا کرتی۔ وہ ہر معاملے میں کچھ ایسی ضدی، تنگ خیال اور احمق، ثابت ہوتی کہ میں اس کا تذکرہ کرنا نہیں چاہتا، اب وہ میرے حلقہ اثر سے آزاد ہے۔

وہ خاموش ہو گیا، کیسا احمق آدمی ہے، میں نے اپنے دل میں خیال کیا، آخر یہ تو اس کی بیچ کی بات ہے۔

سنت کلاؤ میں کشتی ٹھہر گئی، وہ عورت جس نے مجھ پر جادو کر دیا تھا، جانے کو اٹھ کھڑی ہوئی...... اور مجھ پر اک دزدیدہ، معنی خیز جنون آفریں نگاہ ڈالتی ہوئی میرے پاس سے گزر گئی،...... میں نے اس کا تعاقب کرنے کے لئے حرکت کی، لیکن میرے اجنبی ہم سفر نے میری آستین پکڑ کر مجھے اس سے الگ کھینچ لیا،

"مت جاؤ" وہ زور سے بولا۔ "مت جاؤ" "تم ہرگز جا نہیں سکتے"،

وہ کچھ اس طرح چیخ چیخ کر بولا کہ سب کے سب گھوم کر حیرت سے ہماری جانب دیکھنے لگے...... کچھ تو زیر لب مسکرا بھی رہے تھے۔

میں اپنی ہتک عزتی پر غصہ میں تھر تھر کانپتا ہوا وہاں ٹھٹھک گیا، حسینہ، مغموم، دنترنے والے مسافروں کی گروہ میں داخل ہو کر نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

لیکن "آپ بیتی" بنانے والا، فرط مسرت سے اپنے ہاتھ مل رہا تھا، وہ چیخ کر بولا،

"دیکھیے، وہ دیکھیے، لکڑی دہکتی ہوئی آگ سے نکل گئی جشن منائیے صاحب جشن، ہاں، کسی نہ کسی دن آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ میں نے آپ کی ایک ایسی غیر معمولی خدمت کی ہے جس سے بڑھ کر کوئی خدمت اک ستم رسیدہ، قابل رحم صنف کی فرد، کسی دوسری فرد کے ساتھ نہیں کر سکتی۔

# تجرّد

نواب بیگم بولیں، میرے پیارے بچو اب تم جاکر سو رہو،
بچے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی دادی کے پاس جاکر اس کو بوسے دئے،
پھر پادری کے نزدیک جاکر شب بخیر کہی، پادری ہر جمعرات کو شب کا کھانا قلعہ میں تناول کیا کرتا تھا،
بوڑھے پادری نے اپنے زانوں پر ایک ایک بچے کو بٹھایا، ان کے گھونگھر والے بالوں میں اپنی سفید نازک انگلیوں کو پھیرا اور محبت آمیز بوسے لیکر ان کو نیچے اتار دیا۔
بیگم نے کہا محترم پادری، دیکھتی ہوں کہ آپ کو بچوں سے محبت ہے۔
بہت زیادہ مادام
بوڑھی عورت نے پادری پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالی اور بولی،
کیوں، آپ کا یہ تجرد کیا، آپ پر گراں نہیں ہے۔

جی ہاں کبھی کبھی ہے تو

وہ خاموش ہو گیا، اسے تذبذب سا ہوا، پھر یوں بولا،

بات یہ ہے کہ میں سدھارن اہلی زندگی کے لئے مخلوق نہیں ہوا ہوں

یہ آپ کو کیوں کر معلوم ہوا۔

یہ تو میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ قسام ازل نے مجھے کلیسا کے لئے انتخاب
کر لیا تھا اور میں اپنے مجوزہ مقصد پر پہنچ بھی گیا۔

اچھا، ذرا یہ تو فرمائیے کہ کس سبب آپ نے وہ کچھ تج دیا جو بنی نوع انسان
کے لئے ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ خورد و نوش، میرا تو خیال ہے کہ صرف وہ شے
زندگی کو حقیقت میں زندگی بناتی ہے، آپ میں نہ تو مذہبی تعصب اور مردہ دلی
ہے اور نہ آپ درشت مزاج ہیں، بلکہ اور انسانوں کی طرح آپ میں سلامت
روی اور ظرافت طبع ہے، پھر یہ تو کہئے کہ آپ نے اتنا سخت ایثار کیوں کیا، کیا
خدمت کلیسا کا انتخاب کسی زبردست غم کے باعث ہے؟

پادری موزوت اٹھا، آتشدان کے پاس جا کر جھکا اور اپنے ہاتھوں
کو گرمانے لگا وہ ایک لانبا سا سفید بوڑھا آدمی تھا اور گزشتہ بیس سال
سے مقامی گرجا میں پادری کے فرائض انجام دے رہا تھا، کسان اس سے محبت
کرتے اور اس کی تعریف میں رطب اللسان رہتے، وجہ یہ تھی کہ وہ فیاض نرم دل
کشادہ مزاج اور محبت کا پتلا تھا، ضرورت کے وقت حاجت مندوں پر وہ

اپنی کوڑی کوڑی تک خرچ کر دیتا، اس کی فطرت میں جذب تھا وہ رونے دھونے پر عورتوں کی طرح ڈول جاتا، نواب بیگم اس کی حد سے زیادہ مشتاق تھی اور ہمیشہ کہا کرتی، کہ پادری نے سونے کی طرح دمکتا ہوا دل پایا ہے، دونوں ہم عمر اور ہم مزاج ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ گئے تھے،

بیگم ہنستی ہوئی بولی،

اچھا پادری صاحب، اب ذرا اپنی داستان تو سنائیے۔

پادری نے اپنے پہلے نظریے کا اعادہ کرتے ہوئے کہا،

"بات یہ ہے کہ میں سدھارن، اہلی زندگی کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہوں اور خوش قسمتی سے مجھے اس کا احساس وقت ہی پر ہو گیا، مابعد کے واقعات نے اس بات پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ میری رائے صحیح تھی،"

"میرے والدین امیر تھے، اور میرے متعلق ان کے بڑے بڑے منصوبے تھے، جب میں بہت ہی کم سن تھا تو مجھے اسکول بھیج دیا گیا، وہاں میرا کوئی دوست نہ تھا، اور مجھے تنہائی کاٹے کھاتی تھی، میرا یہ بھی خیال ہے کہ کالج کی زندگی اس قسم کے لڑکوں کے لئے بڑی بے جا ہے جن پر دوسروں سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہے، بہر نوع میری تنہائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں بہت ہی اکھڑ، میلا اور جذباتی، ضرورت سے زیادہ شرمیلا اور حساس ہو گیا، اس میں شک نہیں کہ میرا رجحان طبع بھی کچھ اسی جانب تھا، لیکن میرے ماحول نے اسے بہت جلد اور زیادہ

اجاگر کردیا، یہاں تک کہ کسی قسم کی سزا مجھے اور لڑکوں سے زیادہ بے چین کر دیتی اور میرے نظام عصبی میں تہلکہ پڑ جاتا،

سولہ برس کے سن ہی میں میں زندگی اور مصیبت کے خیال سے گھبرانے لگا، لوگوں سے ملنے میں خوف کھانے لگا، بیماری کا خوف مجھے دبا دیتا اور ناکامیابی کا تصور تک میرے لئے ناقابل برداشت تھا، مجمع عام میں بولنے اور کام کرنے کا کیا ذکر میں وہاں سے بھاگ جاتا اور چھپ جانا چاہتا، خلاصہ یہ کہ میں زندگی، کے حوادث اور نوع بشر کے استہزا سے ڈرنے لگا۔

جب میری تعلیم ختم ہوئی تو مجھے اپنا مستقبل تجویز کرنے کے لئے چھ مہینے کی مہلت دی گئی، اس زمانے میں مجھ پر ایک معمولی سا حادثہ گزرا، جس نے میری قوت متخیلہ میں گہرائی پیدا کر دی، اب مجھے خطرات ناحقہ صاف نظر آنے لگے اور میں نے ان سے احتراز کرنے کا فیصلہ صادر کر دیا،

ان دنوں میں اکثر، یہ یک بینی و دو گوش سوچتا اور زندگی کے خواب دیکھتا ہوا میدانوں اور سبزہ زاروں میں دور دور تک سیر کو نکل جاتا، میرے والدین بہت ہی نیک مزاج، مگر مشاق دنیا دار تھے، وہ برابر میری آئندہ زندگی کا سنہری نقشہ تیار کیا کرتے، میرا خیال ہے کہ ان کی محبت میں میرے ذاتی جوہر سے زیادہ یہ شان کارفرما تھی، کہ میں ان کا بیٹا تھا،

ایک دن کا ذکر ہے کہ شام کے وقت، کافی دیر ہو جانے کی باعث میں گھر کی

جانب لپکا جا رہا تھا، میں نے ایک کتے کو اپنی جانب تیزی سے بڑھتے ہوئے دیکھا، یہ سرخ رنگ کا دبلا پتلا اسپانئل تھا، اس کے کان بڑے بڑے اور خوب صورت تھے۔

جب وہ مجھ سے دو گز کے فصل پر رہ گیا تو کھڑا ہو گیا میں بھی ٹھٹھک گیا، اب اس نے اپنی دم ہلانا شروع کر دی اور اپنے اگلے پنجوں کو تعظیم کے لئے جھکاتا اور سر کو ہلاتا ہوا چپکے چپکے میری جانب بڑھنے لگا وہ کچھ ایسا غریب مغموم اور قابل رحم معلوم ہوا کہ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں اس کی طرف بڑھا مگر وہ کچھ ڈر کر پیچھے سرک گیا، رفتہ رفتہ میں نے اُسے سُدھا لیا اور اس پر دست شفقت پھیرنے لگا، محبت کی اُن تھپکیوں پر وہ کچھ دلیر ہو گیا اور اپنے پنجوں کو میرے شانوں پر رکھ کر میرا مونہہ چاٹنے لگا، میری ہمدردی نے اُسے رام کر لیا، اور میرے پیچھے پیچھے میرے گھر چلا آیا۔

بات ناقابل اعتبار ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ کتا سب سے پہلی ہستی تھی جسے میں شدت سے پیار کرنے لگا، اور کیوں نہ ہو، حقیقت یہ ہے کہ اس کو بھی مجھ سے سچی اور بے لوث محبت تھی، لوگ میری اس محبت کو مبالغہ آمیز اور مضحک خیال کریں گے، لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں اور وہ دو بھائی تھے اور اس دُنیائے محبت کے تنہا مالک، وہ مجھ سے کبھی جدا نہ ہوتا، میرے پلنگ کے پایوں سے لگ کر سوتا، میز پر کھاتا اور میری تنہائی کی سیر میں میرا ہم سفر رہتا

میں اُسے "سام" کہتا تھا۔

ایک دن کی بات ہے کہ جون کے آخر ہفتہ میں ہم سینٹ پیٹرز جا رہے تھے، ناگہاں میں نے راڈ ہیرو کی جانب سے ایک لمبی چوڑی گاڑی کو آتے دیکھا وہ گرجتی تپتی ہوئی تیزی سے آ رہی تھی، کوچبان اپنا چابک پھٹکار رہا تھا، رستہ کی گرد اُڑا اُڑا کر گھبرے بادلوں کو اور بھی گھبرا کر رہی تھی،

آن کی آن میں گاڑی وہاں پہونچ گئی۔ جہاں میں کھڑا تھا اس بیچارے صدا سے قدرے کر "سام" میرے پاس آنے کے لئے گاڑی کے سامنے سے دوڑ گیا ........گھوڑے کے سم کی اسے سخت چوٹ آئی ...... میں نے اسے گرتے ہوئے، ٹکڑے ہوئے اور پھر سم کی ٹھوکر کھاتے دیکھا ...... گاڑی میں اک خوفناک جھکولا ہوا اور گذر گئی ........ میں نے کسی شے کے گویا وہ جدا جدا ٹکڑے سڑک پر دیکھے،

سام خون میں شرابور سام نے اٹھنے کی کوشش کی اور میرے پاس آنا چاہا۔ لیکن غریب مجبور تھا، اس کے صرف دونوں اگلے پاؤں قابل جنبش تھے ...... وہ درد کی شدت سے پاگلوں کی طرح زور زور سے چیخ رہا تھا چند منٹ کے بعد وہ مر گیا، مجھ پر کیا گذری یہ میں کبھی بھی بیان نہیں کر سکتا، ایک مہینہ تک میں اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلا۔

میری اس سوگ نشینی پر سخت ناراض ہو کر میرے باپ نے ایک دن

بگڑ کر کہا۔
آخر تم اس وقت کیا کرو گے جب تمہیں کبھی کوئی حقیقی صدمہ ہو پہنچے گا جب
شاید تمہاری بیوی یا کوئی اولاد مرجائے گی اس کبھی ان ، الفاظ کو بھول نہیں
سکتا، وہ مجھ پر ہمیشہ مسلط رہتے ہیں،
"آخر تم اس وقت کیا کرو گے جب تمہیں کبھی کوئی حقیقی صدمہ"
"پہو پہنچے گا، جب شاید تمہاری بیوی یا کوئی اولاد مرجائے گی"
اب مجھے حقیقتیں صاف صاف نظر آنے لگیں، مجھے یقین ہو گیا کہ میں دنیا
کے ان چند حساس اور اثر پذیر لوگوں میں ہوں جن کی زندگی کے دن مصیبت سے
وابستہ ہیں...... میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں تمام ممکن الحصول مسرت سے باز
آؤں گا تا کہ مجھے ناگزیر مصیبت سے نجات رہے زندگی قلیل ہے اور میں اسے
دوسروں کی رستگاری میں صرف کروں گا۔ ان کے غم میں غم اور خوشی میں خوشی
مناؤں گا...... جب مجھے نہ کوئی اپنا غم اور نہ اپنی خوشی ہوگی، تو میں دونوں
کا لطف اٹھایا کروں گا۔
بایں ہمہ، مصیبت کا نظارہ میرے لئے تکلیف دہ ہوتا ہے، لیکن اگر
یہی مصیبت کہیں مجھ پر پڑ جاتی تو میری جان کے لالے پڑ جاتے، کیونکہ غم کی مدافعت
کی قوت مجھ میں سرے سے مفقود ہے، اگر میں باپ ہوتا، اور میری کوئی اولاد مر
جاتی تو میں زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کی موت میری موت کا سبب ہوتی... اب بھی

جب کبھی میں ڈاکئے کو کسی کے گھر جاتے دیکھتا ہوں تو خوف سے میرا کلیجہ بیٹھنے لگتا ہے۔

پادری تھوڑی دیر خاموش ہو گیا، وہ متفکر نگاہوں سے آتش دان کی سمت دیکھنے لگا۔

اس کے چہرے سے صدمہ اور اضمحلال ہویدا تھا، غالباً وہ اس خواب زندگی کے متعلق کچھ سوچ رہا تھا جو تشنۂ تعبیر رہ گیا، لیکن جس کا حسین آغوش اس کے لئے کشادہ رہتا اگر وہ دلیری سے اپنے خوفناک اور حساس جذبات پر غالب آجاتا۔

کچھ دیر کے بعد اس نے دھیمی آواز میں اپنے نظریہ کو دہرایا۔

ہاں دیکھئے، دنیا والوں کے نقطۂ نگاہ سے دیکھئے تو میں گھریلو زندگی کے لئے خلق نہیں ہوا تھا،،

نواب بیگم نے اس کا فوراً کوئی جواب نہیں دیا، لیکن بہت دیر خاموش رہنے کے بعد وہ آہستہ آہستہ بولی،

"اگر میرے بچے نہ ہوتے تو میں زندہ نہیں رہ سکتی تھی"

پادری بغیر کچھ جواب دئے اٹھ کھڑا ہوا،

نواب بیگم نے اپنی کھڑکی سے پادری کے لانبے اور سیاہ ڈھانچے کو مرغزار کی جانب بڑھتے اور تاریکی کی آغوش میں روپوش ہوتے ہوئے دیکھا وہ ان بے شمار حیرت خیز باتوں پر جو اس نے اپنی زندگی میں سنی تھیں، لامتناہی استعجاب سے غور کرنے لگی۔ پھر وہ آتشدان کے پاس چلی گئی اور زندگی کے خواب دیکھنے لگی۔

---

# سُرخ موالنسان

قالب پیرس میں شاہ راہ بولے وارڈ سے کچھ ہی دور پر جہاں سیر کے لئے اکٹھا ہونے میں فرانس کا ہر باشندہ اک تڑپ سی محسوس کرتا ہے دس بارہ گھروں کی ایک پتلی سی گلی آباد ہے۔ ان میں سے دو گھروں کے دروازے اور کھڑکیاں دیدہ باز نظروں اور مبتذل نگاہوں سے بچنے کے لئے بند تھیں۔ یہ پتلی گلی دولت مند خرچ نوجوانوں کے لئے وجہ نشاط تھی اور ان کے خاص اصطلاح میں رو ڈی آن فر "دوزخ کی گلی" کے نام سے مشہور تھی۔

اس بدنام گلی کا مکان نمبر ۶، مادام لانگے کی ملکیت تھا، مادام اک اداکار اک مغنیہ اور اک زبردست عیارہ تھی، کوئی پچیس برس سے ضمنی طور پر دلالی کا پیشہ بھی کیا کرتی تھی، البیلے مردوں کو پھانسنے میں اسے ید طولیٰ حاصل تھا، اب وہ اک موٹی تازی صبیح، اور بنی ٹھنی عورت تھی، اس کے بال گھونگھریالے اور جسم بھاری بھرکم تھا وہ اپنے جسم اور حسن کی حفاظت کا گر جانتی تھی، یہ اک معمہ تھا کہ وہ کس طرح

امتداد زمانہ کو دھوکہ دینے میں کامیاب تھی، یوں تو وہ ہمیشہ سے اک مشغول اور نچلی نہ بیٹھنے والی عورت تھی، لیکن اس طرف اس کا انہماک کچھ پہلے سے زیادہ بڑھ گیا تھا۔ حسن و شباب کے زوال نے اسے دولت جمع کرنے پر ابھارا تھا تاکہ ضعیفی کے ایام میں اسے دربدر کی خاک نہ چھاننی پڑے۔

غیر مشاق نگاہوں میں مادام کی عمر ۳۶ کے لگ بھگ تھی، لہٰذا بہ کنارہ پیرس کے پرانے نظر باز اچھی طرح جانتے تھے کہ اس کی عمر پچاس سے کم نہ تھی، لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس نے زندگی کے پچپن موسم بہار اور اسی قدر غیر خوش گوار فصل سرما دیکھی تھی،

ان دنوں وہ دوزخ کی گلی "نمبر ۶ میں مقیم تھی،

وہ پیرس کی حسین و جمیل نوخیز چھوکریوں کے گوشت و پوست کی تجارت کرتی؛ اور بغیر کسی جھجک کے محیط عیاشانہ فضا کے ماحول سے فائدہ اٹھا کر اس نے اچھی خاصی دولت جمع کر لی تھی،

جس رات کا میں تذکرہ کر رہا ہوں، مادام کا گھر کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، گویا سانس لینی مشکل تھا، ہر قسم کی آنکھوں بالوں اور حسن والی کوئی بیس عدد چھوکریاں، نیم برہنہ لباس میں کمروں میں خوش خرامیاں کر رہی تھیں، کچھ تو ان میں پختہ کار تھیں اور کچھ محض نومشق۔ مزا تو یہ تھا کہ یہ ناتجربہ کار لڑکیاں بھی اپنے عیاش خریداروں کے سروں پر ناز و ادا کے پھول نچھاور کر رہی تھیں۔

مادام اپنی ان چلتی پھرتی تصویروں کے درمیان تھرک تھرک کر گھوم رہی تھی

اس کے مہمانوں کی تعداد بھی مساوی تھی، اور ان میں بھی ہر عمر اور ہر قماش کے لوگ تھے
چکنی مانگوں والے بوڑھے۔ اوسنا تجربہ کار احمق لونڈے،  علاوہ یہ کہ مرد بننے کا شوق
ان نوجیزوں کے انداز سے نمایاں تھا۔ حالانکہ، ان میں اور گدھے میں کوئی فرق نہ تھا
ان حماقت آمیز کرشموں کی بدولت مادام کے بنک کا حساب ترقی پر تھا۔

شام سیم پانی کی طرح یہ رہی تھی، مادام اس امر سے کبھی چشم پوشی نہ کرتی۔ پیانو برابر بج رہا تھا۔ اور چھوکریاں گانے کی کوشش میں ایک دوسرے پر سبقت کر رہی تھیں، لوگ تعریفیں کرتے قہقہے لگاتے اور مذاقیہ جملے کستے تھے۔ ہر شخص نشہ میں چور اور مسرت سے ہم کنار تھا مادام بھی خوش تھی لیکن مخمور نہ تھی۔

چھوکریوں کو محض اتنی شراب پینے کی اجازت تھی کہ وہ گرما جائیں، ان کا فرض منصبی تھا کہ وہ مردوں کے گلاسوں کو ہمیشہ لبالب رکھیں۔

رنگ رلیاں جب نقطۂ ارتفاع پر پہونچ گئیں اور برانڈی اور سوڈا کے معتدل امتزاج سے مخمورانہ جوش کے جذبات میں کمی ہونے لگی تو سب کے سب کی نظر ایک لڑکی پر جا پڑی۔ جو اک گوشے میں سمٹی ہوئی شراب کی رعنائیوں کے زیر اثر حسن کی بربادیوں کا متحرک منظر غور سے دیکھ رہی تھی،

اس لڑکی کے خوب صورت کتابی چہرہ کی ہر سطر پر خوف اور انتشار کی داستان لکھی ہوئی تھی، اور اس کی بڑی بڑی نیل گوں آنکھیں، رحم آلود نگاہوں سے اس عیاشانہ تماشوں کو دیکھ رہی تھیں، وہ محض تنہا تھی، کیونکہ ان نوجوان عورتوں میں سے جو۔

حصول مسرت میں ملیے بلیے پینگ لے رہی تھیں اور دولت حاصل کرنے کے لیے اپنی عصمت گنوا رہی تھیں، کسی ایک نے بھی اس کو نظر بھر کر نہ دیکھا۔ مادام تو گویا اس کے وجود سے بھی بے خبر تھی۔

اس خوب صورت لڑکی کے پاس ہی ایک مغرور خشک مزاج سا مرد بیٹھا تھا۔ اس کے سر کے گھنے چمکیلے، سرخ رنگ کے بال، اس کی سرد اور چھبنے والی آسمانی آنکھیں اس کا کشادہ مضبوط مردانہ اور شہوت آمیز مربع جبڑوں سے مربوط دھن۔ اس میں ایک ایسی امتیازی شان پیدا کر رہا تھا کہ ہر مرد اور عورت کی نظر اس کی جانب لوٹ جاتی تھی، ساری جماعت میں اس کے متعلق اک استفہامیہ سوال چکر لگا گیا۔ کہ وہ کون ہے اور مادام کے حلقہ معصیت میں اس کا کیا کام ہے وہ تو ان کے رنگ میں رنگا ہوا نہیں معلوم ہوتا تھا حقیقت بھی یہ تھی کہ وہ اس مجمع میں کچھ بے جوڑ سا تھا۔ غور آفرین ہنگامے اور اخلاق سے گرے ہوئے ظاہر ہے اس پر پھبتے نہ تھے۔

تاہم نفسیات جنسی کے ماہر اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔ کہ وہ تمام ان شہوانی عشقیہ فنون کا حامل تھا جن سے صنف نازک کا شکار کیا جاتا ہے، وہ پایہ گویا کا ایک امیر تاجر تھا اور بے شمار دولت کا مالک،

اب جوڑ لگنے لگا، کمرے خالی ہونے لگے۔ چند شوہروں کو اپنی بیوی کی معیت کا خیال آیا۔ روشنی مدھم کر دی گئی ..... سرخ بالوں والا آدمی مادام کے پاس گیا، وہ اپنی رنگ رلیوں کی کامیابی پر جذبات کی یورش سے دہکی جا رہی تھی،

مادام نے اس شخص کی استدعا کو غور سے سنا اور اس کی گفتگو پر کچھ ایسا منہ کھول کر ہنسی کہ اس کے پھولے ہوئے گالوں کا مصنوعی لیپ تڑخ گیا۔

ہاں، ہاں جناب خوشی سے، نہایت خوشی سے، وہ زور زور سے بولی اور تیر کی طرح کمرے کے اس گوشے میں پہونچ گئی جہاں وہ لڑکی بیٹھی ہوئی خلا کو گھور رہی تھی اس نے لڑکی سے کچھ کہا، جس کو سن کر اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا...... وہ مادام سے التجائیں، بے سود التجائیں، کر رہی تھی، کسی نے یہ الفاظ سنے۔

ہمیں زندہ رہنا ہے اور آرام کی زندگی بسر کرنا ہے اور یہ بغیر روپیہ کے نہیں ہو سکتا بچی یہ کوئی آشرم نہیں ہے۔ زندہ رہنے کے لئے تم کو کام کرنا ہوگا اور جب تم جانتی ہو۔ کہ تمہارا کام کیا ہے تو جاؤ اور اسے فوراً انجام دو۔

لڑکی مان گئی، آہستہ سے کھڑی ہوئی اور سرخ بالوں والے مرد کے پاس آ گئی، لڑکی سے بہت معذرت کرتے ہوئے اس نے اپنا بازو اس کے ہاتھ میں دیدیا اور دونوں مادام کے ساتھ ساتھ پہلے زینہ پر آ گئے۔

مادام جس کے چہرے کی لیپ تڑخ گئی تھی، اور جس کے منہ پر آدھ انچ تہہ پوڈر کی تھی تعظیم سے بولی، یوں آئے، جناب میں آپ کو کمرہ نمبر ۳ دوں گی۔ اور یہ کہہ کر اس نے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔

لڑکی پہلے داخل ہوئی مادام نے اس شخص کو ٹھہرا کر اس کے کان میں کچھ چپکے چپکے راز دارانہ طور پر کہا،،

ہاں، ہاں، یقینی مادام یقینی میں کیا بھی کیا احمق ہوں۔

بہ حفظ ما تقدم ہے، مادام نے شیریں الفاظ میں کہا، یہاں دام پہلے چکا لینا اصولوں میں داخل ہے۔

اس نے مادام کو چند نوٹ عطا کئے، اس نے انھیں سرعت مگر احتیاط کے ساتھ گن لیا، اور ان دونوں کو وہاں چھوڑ کر چلی گئی۔ اب وہ جو چاہے اس کے ساتھ کرے میں بہری بن جاؤں گی، کیوں نہیں آخر کافی معاوضہ بھی تو مل گیا ہے۔ ....

کمرے میں داخل ہوتے ہی، ہیر مو شوقین نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور پھر اس لرزہ بر اندام لڑکی سے مخاطب ہوا اور اس کے حسن دادا کی تعریف کرنے لگا، لیکن جب اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا تو اُسے پتہ چلا کہ وہ کوئی برف کا تودہ تھی ..... اس کا خیال تھا کہ وہ صرف گھبرائی ہوئی تھی، علیل نہ تھی .....

غالباً اُسے شراب کی ضرورت تھی، مگر اس نے انکار کرتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ پھر وہ اس مشہور فلسفی کے اصول کے ماتحت، تہذیب کے خیال سے اپنی پیٹھ لڑکی کی جانب کر کے اپنے کپڑے اُتارنے لگا۔

سارا لباس اُتارنے کے قبل اس نے اک دزدیدہ نگاہ لڑکی پر ڈالی اور اس کے چہرے بشرے سے کھلی کھلی نفرت کا اندازہ پا کر اس کو سخت صدمہ محسوس ہوا۔

کیوں مس کیا آپ کپڑے نہ بدلیں گی؟، اُس نے پوچھا۔

ہاں بدلوں گی مگر عبادت شب کے بعد، یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی،

معاف کیجیے۔ للہ معاف کیجیے..... وہ گھبرائی ہوئی آواز میں ہکلا کر بولا۔

وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی تکیہ کے ایک کونے میں اپنا مونہہ چھپا لیا اور آہستہ آہستہ سسکیاں لینے لگی،

کنجی اور تیلوں کے سوا وہ اپنے تمام کپڑے الگ کر چکا تھا۔ لیکن تیلون کو وہ مضبوط پکڑے ہوئے تھا، اسے دھڑکا تھا کہ اگر اس آبدیدہ لڑکی کے ساتھ کوئی بھوگ پڑ گئی۔ تو اسے شرمندہ نہ ہونا پڑے، اس لڑکی کے آنسو اور ٹھنڈی سانسوں سے وہ گھبرایا ہوا تھا۔ تاہم وہ اس کے نزدیک گیا اور حتی المقدور اسے تسلی اور تسکین دینے لگا۔ تیلون کھسک جانے کا خیال اسے پریشان کئے ہوئے تھا! وہ لڑکی کے آنسو اپنے بوسوں سے خشک کر کے اسے مطمئن نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ اس کا ایک ہاتھ تیلوں پر تھا،

دوسرا چارہ ہی کیا تھا وہ ان تمام شیریں الفاظ میں جو اسے یاد تھے اس کی تشفی کر رہا تھا، لیکن نتیجہ برعکس نکلا، وہ اور بے قرار ہو کر رونے لگی۔ اس کا دل بیٹھ گیا، اس کے جسم میں کچھ ایسی تھر تھری پڑ گئی۔ کہ اسے محسوس ہوا کہ برف کی کوئی چٹان اس کے کمر میں باندھ دی گئی تھی، وہ صرف اپنا ایک ہاتھ اس کی ہمدردی اور تسکین قلب کے لئے متحرک کر سکتا تھا، اسے ہر لحظہ یہ ڈر لگا ہوا تھا کہ کہیں اس کا ازار کھل نہ جائے، ایسی لت میں احتمال غالب تھا کہ اس کی منظور نظر اپنے مرغ مو عاشق سے اور بھی زیادہ متنفر ہو جائے گی۔

رُکی کارونا کم نہ ہوا، آتشین مو نوجوان ایک ہاتھ سے اپنا پتلون تھامے اُس سے پلنگ میں جانے کی التجا کر رہا تھا تاکہ وہ آرام پائے اور ٹھنڈک سے محفوظ رہے، اس کی تسکین کے لئے اس نے قسم بھی کھائی کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ اس کو پیار کرتا رہے گا۔

دفعتہً گویا پہلی بار وہ رو رو کر بولی،

آہ، کیا تم نہیں جانتے، کیا تم کچھ سمجھ نہیں سکتے۔

وہ بھی گھبرا کر بولا۔ میں کیا نہیں سمجھ سکتا، اور ساتھ ہی ساتھ اپنے پتلون کو اور لپیٹنے لگا تاکہ گرفت مضبوط رہے۔

وہ تتلا کر بولی، جناب، اچھے جناب، آہ، میں دوشیزہ ہوں، !

سرخ بالوں والے آدمی کی سانس رک گئی اور اس نے اپنی پتلون کا سہارا پکڑا! جوں ہی اس کی سانس واپس آئی اور اس کو یقین ہو گیا کہ اس کی پتلون اپنی جگہ پہ ہے کہ وہ چلا کر بولا۔

اُف اُوہ، مجھے خواب میں بھی یہ خیال نہیں گزرا تھا ... کیا یہ سچ ہے؟

وہ رو کر بولی سنٹ گائلس کا پادری اس کی صداقت پر گواہ ہے۔ للہ میری حالت پر رحم کیجئے اور مجھے جانے دیجئے میں یہ جانتی ہوں کہ آپ نے مجھے خرید لیا ہے میں یہ بھی جانتی ہوں کہ مجھے اس گھر میں مقررہ مدت تک رہنا پڑے گا۔ کیوں کہ میں نے اپنے کو ............ کہ اس خوفناک عورت کے ہاتھ فروخت کر کے خط خلاصی لکھ دیا ہے، پھر بھی ان باتوں کو جاننے کے بعد بھی،

آپ اگر میرے وصل پر اصرار کریں گے، تو میں کہہ ہی کیا سکتی ہوں، لیکن یہ یقین رکھئے کہ آپ کا یہ مظاہرہ عیش میری لاش پر ہوگا۔

اس کی چیخ میں کچھ ایسی تڑپ تھی اور اس کی آنکھوں سے کچھ ایسی وحشت نمایاں تھی کہ اُسے یقین ہوگیا کہ وہ اپنا قول پورا کر کے رہے گی۔

نہیں، نہیں، اس فرانسیسی نے اپنی سرکش تیلون کو سنبھالتے ہوئے کہا کہ مس صاحبہ، آپ خوشی سے اپنے معاہدہ کو ترک کر سکتی ہیں، تب مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے کمرے میں چلی جاؤں، وہاں میں آپ کے لئے دعا کروں گی۔

اس بدنصیب شخص نے جذبات جوش کے انتہائی کشاکش سے متاثر ہو کر اپنی تیلون کو زور سے پکڑتے ہوئے کہا،

شکریہ، مس صاحبہ، شکریہ!

حسینہ جمیلہ جانے کے لئے مڑی تو اس کے عاشق نے مذاق کے انداز میں کہا،

مجھے معاف کیجئے، میں آپ کو گلے نہیں لگا سکتا۔ کیوں کہ آپ دیکھ رہی ہیں کہ میرا داہنا ہاتھ خالی نہیں ہے، ...... اچھا شب بخیر۔

اس نے دروازہ زور سے بند کر دیا۔ ایک دو لمحہ تک اُسے محسوس ہوا کہ اس کے سر کے سرخ بال ساہی کانٹوں کی طرح کھڑے ہیں، ایک منٹ تک وہ دروازہ کو گھورتا رہا، .... تب ناامیدی کے جنوں میں اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کے بالوں کو نوچ ڈالا۔ بات انتہا کو پہونچ گئی۔ تیلون سفر میں پرانی رہی۔ اس نے ایک زبردست ٹھوکر

سے تپلوں کو پلنگ کے نیچے پھینک دیا۔ اور غصہ میں "کنگ لیر" کی طرح گرجنے اور کڑکنے لگا۔

لعنت ہے مجھ پر، وہ چیخ کر بولا، دوشیزہ ہو تو ہو، لیکن میرے روپوں کا کیا ہوگا۔ دوشیزہ؟ ہش، اس کم بخت تپلون کی بدولت میرے نظام اعصاب پر جو دھچکے لگے اس کا کیا معاوضہ ہے؟ ...... یہ لڑکیاں کچھ ایسے جھوٹ تراشا کرتی ہیں کہ توبہ ہی بھلی، ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی مذاق یا دھوکہ ہو...... بہر حال میں کل پادری سے مل کر اس کا پتہ لگاؤں گا کہ وہ کہیں مجھے الو تو نہیں بنا گئی اگر ایسا ہے ... تو میں اس لڑکی سے ضرور سمجھ لوں گا،

اس نے روشنی گل کر دی، اور پلنگ میں گھس گیا، اسے فوراً ہی نیند آ گئی۔ اور اس رونے والی حسین دوشیزہ کا خواب دیکھنے لگا۔

..........................

دوسرے ہی دن صبح کو وہ سنٹ گائلس کے پادری سے ملنے کو روانہ ہو گیا۔

پادری سے اس کی ملاقات کلیسا کے باغ میں ہو گئی، عبادت کے بعد وہ کچھ مطالعہ کر رہا تھا، وہ فوراً اپنے مدعا پر آ گیا اور گزشتہ رات کے واقعات کو صاف صاف بیان کر کے یہ پوچھ بیٹھا۔

"کیا اس لڑکی کی باتیں سچ ہیں"

ہاں سچ ہیں بڈھے پادری نے جواب دیا، افسوس یہ اک نہایت ہی دردناک

واقعہ ہے، یہ لڑکی فرانسیسی نہیں بلکہ آئرستانی ہے، اس کے اجداد جنرل مکموھن کی فوج میں تھے، وہ سب کی سب لاجواب ہستیاں تھیں، وہ اپنے اعتقاد اور محاسن کو فرانس میں لائے اور یہاں شادی بیاہ کر کے رہنے سہنے لگے،

تو پھر یہ تو کہئے کہ وہ کیوں ایسے ذلیل ماحول میں رہتی ہے خصوصاً ایسے مکان میں جو دوزخ کی گلی میں واقع ہے، یہ بات بالکل صاف ہے، پادری نے کہا، عورتوں کی قربانی کی یہ اک عمدہ مثال ہے، اس لڑکی کا بھائی، نوجوانی کی بدعنوانیوں کے جرم میں کسی مجسٹریٹ کے ہاں ماخوذ ہوا، اور اس پر ہزار فرانک جرمانہ ہوا، جرمانہ ادا کرنے پر ایک برس کی قید تجویز ہوئی۔

اس خوب صورت لڑکی نے خود کو مادام کے ہاتھ (جو ہمیشہ اسی ناک میں رہتی ہے) تین ماہ کے لئے فروخت کر دیا، تاکہ اپنے بھائی کا جرمانہ ادا کر سکے، اور اس جہنم میں اپنی عصمت بچانے کے لئے اسے کیا کچھ نہ کرنا پڑا، اس کی عزت آبرو اور اس کی عصمت خطرے میں تھی، لیکن اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ اپنی عصمت کے موتی کو بے آب نہ ہونے دے گی، اس کامیابی میں اس کے دل سے نکلی ہوئی دعائیں معین، اس وقت جناب وہ اک پاکیزہ ترین عورت ہے، فرانس شاید ایسی مثال مشکل سے پیش کر سکے گا۔

سرخ بالوں والا عیاش خبط ہو گیا، اس کا دل ٹوٹ کر رہ گیا آہ! ایک دوشیزہ اس کے ہاتھ میں آکر نکل گئی۔

معزز پادری، یہ تو فرمائیے کہ اس دوشیزہ کی مدت میعاد اس جہنم میں کب ختم ہو گی،

آج چار بجے دن کو پادری نے جواب دیا، میں اس کا خیر مقدم گرجا میں ساڑھے چار بجے کروں گا۔

کیوں جناب، سرخ مو آدمی نے پوچھا، کیا میں بھی وہاں جا سکتا ہوں

کوئی مضائقہ نہیں۔ پادری نے جواب دیا۔ لیکن یہ تو فرمایئے کہ کس لئے۔

اس سے شادی کرنے کے لئے۔ اس آدمی نے پتلون کو سنبھالتے ہوئے کہا،

اور ایک دوشیزہ کو اپنی بیوی بنا کر اپنا ارمان پورا کرنے کے لئے۔

اچھا تو آیئے۔ اور وہیں میرے ساتھ قہوہ بھی نوش فرمایئے، ہم آپ کی تجویز پر غور کریں گے۔ اور آپ کے مستقبل پر تبصرہ کریں گے۔

. . . . . . . . . . . . . . .

جس وقت سنٹ گائلس کے گرجا میں پانچ کا گھنٹہ بج رہا تھا، سرخ مو نوجوان اور دوشیزہ لڑکی کا بیاہ ہو گیا، پادری نے انھیں دعائیں دیں۔

نوجوان نے جس کی روح میں امید اور خواہشات کے جذبات مشتعل تھے۔ اپنی حسین اور دوشیزہ بیوی کو بے ساختہ گلے سے لپٹا لیا۔

پھر فوراً ہی دونوں اپنے گھر چلے گئے، وہاں وہ محبت، خوشی، آرام اور سکون کی زندگی بسر کرنے لگے، ان کی متعدد اولادیں ہوئیں، شاید ضرورت سے کچھ زیادہ، خصوصاً ان لوگوں کے نقطۂ خیال سے جو عیاشی کے خشک صحرا میں اپنی مردانگی کا آب دار جوہر لٹایا کرتے ہیں۔

# تحفہ

جیک رنڈل نے طعام شب گھر پر کھایا۔ اپنے خدمت گار کو رخصت دیدی اور خط لکھنے بیٹھ گیا۔ یہ خط اکثر و بیشتر سال نو کی مبارک باد تھے، تہنیت لکھنے کے قبل وہ اپنے دوستوں پر گزرے ہوئے واقعات کو یاد کر کے لطف اٹھاتا اور ان کے مستقبل کے متعلق اچھی اچھی پیش گوئیاں کر کے مسرور ہوتا،

وہ بیٹھ گیا، میز کی دراز کو کھولا، ایک عورت کی تصویر نکالی، دیر تک اُسے دیکھتا رہا۔ پھر بے ساختہ چوم لیا۔ تصویر سامنے رکھدی اور یوں لکھنے لگا،

میری پیاری ائرین، اس وقت تک تم کو میرا بھیجا ہوا ناچیز تحفہ مل گیا ہوگا ...... بس اس مبارک شام کو تمھیں یہ لکھنے بیٹھا ہوں ......

جیک نے یک بہ یک اپنا قلم رکھدیا، کھڑا ہو گیا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔

وہ کوئی چھ مہینے سے ایک حسینہ کے دام الفت میں گرفتار تھا، دوسری عورتوں کی طرح وہ پیٹ کی ہلکی طبیعت کی اوچھی، دولت کی بھوکی، ہوٹل اور تھیٹر کی دیوانی

نہ تھی، بلکہ وہ اک ایسی عورت تھی جس کے دل پر فتح پائے، جس کی محبت حاصل کرنے میں اس نے ایڑی چوٹی کا زور لگا یا تھا، جیسے اب کوئی جذباتی نوجوان نہ تھا تجربہ نے اُسے انسانوں کے پرکھنے کا گُر بتا دیا تھا، وہ حیرت خیز انہماک سے اکثر یہ سوچا کرتا کہ ان کے باہمی الفت کی گرہیں کس قدر مضبوط ہیں! اور کب تک وہ ایک دوسرے کی آغوش محبت میں مسرت یہ کنار ہیں گے...... اس کو یقین تھا کہ محبت کا یہ دلچسپ خواب برسوں تشنۂ تعبیر ہوگا۔

صدر دروازے پر گھنٹی کی آواز نے اُسے چونکا دیا

پہلے تو اس نے دروازہ کھولنا نہیں چاہا۔ لیکن چوں کہ اس کا یہ دستور تھا کہ وہ کسی موڈ روز کی شام کو شرف باریابی سے محروم نہیں رکھتا تھا، اُس نے اک شمع جلائی اور باہر کے ہال کمرے میں داخل ہوا،

قفل میں کنجی گھومائی، زنجیر کھولی، دروازہ کشادہ کیا۔ اور دیکھا تو یہ دیکھا کہ اس کی محبوبہ مردہ صورت دروازے کا سہارا پکڑے کھڑی ہے۔

خدا خیر کرے وہ گھبرا کر بولا، تمہاری یہ کیا حالت ہے؟

کیا تم تنہا ہو، اُس نے پوچھا۔

ہاں

باہر تو نہیں جا رہے تھے،

نہیں،

وہ بلا تکلف اندر آ گئی۔ گول کمرے میں پہونچتے ہی وہ ایک صوفہ میں غرق
ہو گئی، اور اپنے ہاتھوں سے موںہہ کو چھپا کر زور زور سے رونے لگی،
جیک گھٹنے ٹیک کر اس کے پاس بیٹھ گیا، اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹانے
کی کوشش کرنے اور یہ پوچھنے لگا۔
آیرین ...... میری جان ... کچھ بھی تو کہو کہ بات کیا ہے"...
رقت سے گھوگیر آواز میں اس نے جواب دیا۔
میں اب ایسی زندگی بسر نہیں کر سکتی۔
جیک کچھ بھی نہیں سمجھا۔
تمہارا منشا کیا ہے ..... ایسی زندگی......
میرا مطلب یہ ہے کہ، اب ازسرگزشت، زندگی اب ناقابل برداشت
ہو گئی ہے .... گھر پر..... تم کو خبر نہیں میں نے یہ باتیں کبھی تم سے نہیں کہیں
..... اس کا ظلم اب بہت بڑھ گیا ہے..... ابھی ابھی اس نے مجھے
مارا ہے۔
کس نے ؟ تمہارے شوہر نے،
ہاں
آہ
یہ بات جیک کے گمان میں بھی نہ تھی، وہ جانتا تھا کہ آیرین کا شوہر شریف

خوش مزاج ہر دل عزیز اور جید کھلاڑی تھا۔ گو خصوصیت سے زیادہ چلتا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کو بہ ظاہر بہت آزادی دے رکھی تھی، لیکن ہمیشہ اس کے خیال میں منہمک رہتا اور اس پہ اپنی جان چھڑکتا رہتا۔ رنڈل کے فرشتے کو بھی اس کا شک نہ تھا کہ وہ اس قدر بے رحم ہے آئرین کی زبانی اس کے شوہر کے ظلم کی داستان سن کر وہ دنگ رہ گیا۔

اچھا تو کل حال مفصل بیان کرو۔

آئرین نے بتایا کہ کس طرح اس کا شوہر رفتہ رفتہ اس سے بے نیاز ہوتا گیا اور بے اعتنائی کرنے لگا، شام کے وقت ہمیشہ وہ باہر چلا جاتا۔ اس کے لباس کے وظیفے میں کاٹ چھانٹ کرتا۔ قیامت تو یہ تھی کہ اس طرف وہ جیک سے انتہائی رشک کرنے لگا تھا آج شام کو اسی لئے سخت جنگ ہو گئی۔ اسی قصور پر اس سے مار بھی کھائی آہ

"اب میں ہرگز اس کے پاس واپس نہیں جاؤں گی، تم جو مناسب سمجھو کرو"

جیک اس کے آمنے سامنے بیٹھ گیا، اور اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا،

میری پیاری، کیا حقیقت میں تم کو یقین کامل ہے کہ تم کوئی بہت بڑی غلطی نہیں کر رہی ہو؟ اگر تم اپنے شوہر کو چھوڑنا چاہتی ہو تو اس کو اچھی طرح سوچ سمجھ کر کرو۔ مناسب تو یہ ہے کہ پہلے اس کے کچھ قصور بھی ڈھونڈھ کر پیدا کر لو (نیز)

حالت میں تمہاری شہرت اور عزت پر کوئی دھبہ نہ آئے گا۔

جیک، تمہیں بتاؤ کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے

میری تو رائے ہے کہ تم اس کے پاس واپس چلی جاؤ، اور جب تک قانونی کارروائی، یا طلاق نہ ہو سب کچھ برداشت کرتی رہو۔ اصول جنگ کا احترام لازمی ہے!

لیکن کیا یہ فعل بزدلی سے منسوب نہ ہو گا؟

بالکل نہیں، بلکہ یہ بات تر ین عقل ہو گی۔ تمہارا نام و نمود۔ تمہارا اقتدار تمہارے والدین اور تمہارے احباب تم سے وابستہ ہیں۔ تمہیں ان کا خیال مقدم ہے محض اس لئے کہ تم اپنی زندگی کو مشکل سمجھ رہی ہو، تمہیں ان کو ناخوش نہیں کرنا چاہیے۔

"لیکن میں یہ باتیں ہرگز برداشت نہیں کر سکتی، ہرگز برداشت نہیں کر سکتی، جیک! میں ہرگز......"

پھر اپنا نازک ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر، اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دی،

کیا حقیقت میں تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟

ہاں، اس نے زور دیکر کہا۔

تب مجھے اپنے پاس رکھ لو۔

اپنے پاس رکھ لوں، تم کو، یہاں؟ تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا! آہ تم ہمیشہ کے لئے برباد ہو جاؤ گی۔

وہ آہستہ آہستہ لیکن متانت سے بولی،

جیک، سُنو، اس نے مجکو تمہارے ہاں آنے اور تم سے ملنے کو منع کر دیا ہے۔ میں مشکوک ماحول میں، مکر کی زندگی بسر نہیں کر سکتی، تم یا تو مجکو قبول کر و، یا مجھے ہمیشہ کے لئے رخصت کر دو۔

بس طلاق ہو جانے تک میں تم کو وہاں رہنے دوں گا

اس میں دو برس کی مدت لگے گی۔ کیا تمہاری محبت اتنی قناعت پسند ہے؟

تم یہاں اگر رہو گی بھی تو تمہارا شوہر تمہیں زبردستی پکڑ لے جائے گا قانون نے اس کو یہ حق دے رکھا ہے، یہ تو کچھ ضرور نہیں کہ تم مجھے یہاں ہی رکھو کہیں اور لے جا سکتے ہو۔ میں تو سمجھتی تھی کہ تم مجھے اتنا ضرور چاہتے ہو کہ ایسا کرنے میں تم کو کوئی اعتراض نہ ہو گا، لیکن میرا خیال غلط نکلا، اچھا تو میرا اسلام لو، میں اب رخصت ہوتی ہوں،

"آئرین"

وہ دروازہ کی طرف بڑھی، جیک اُچک کر لپکا، اور اس کا رستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

"مجھے جانے دو"

آئرین، چونکہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اور چونکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم کو اپنی اس حرکت پر غایت درجے کا افسوس ہو گا۔ اس لئے محض اس لئے، میں نے تم کو یہ رائے دی،

ہاں ہاں، میں یہ باتیں خوب سمجھتی ہوں۔

اچھا، تم اگر ہماری نصیحت نہیں مانتیں، تو بسم اللہ، یہ گھر حاضر ہے، ...... یا اگر تم کو منظور ہو تو آج پھر ٹھہر جاؤ کل ہمارے پاس ہمیشہ کے لئے چلی آنا۔

اس نے تلخی سے جواب دیا۔

نہیں، اس عنایت کا شکریہ، میں تم سے کسی قسم کی قربانی نہیں چاہتی، یہ محض ادائے فرض ہے، محبت نہیں۔

آئرین اچھا آؤ اور خوشی سے رہو میں نے تو موقع کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے وہی کہا جو ہر شریف آدمی کہتا ہے۔ میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا اب میرا ضمیر مطمئن ہے۔ اچھا آؤ اب ہم اپنے مستقبل پر غور کریں،

وہ پھر بیٹھ گئی۔ اور جیک کو گہری نگاہ سے دیکھتی ہوئی، اطمینان سے بولی،

تم نے اپنی رائے اس قدر جلد کیوں بدل دی،

"میں نے اپنی رائے اس قدر جلد نہیں بدلی۔ ... پہلے تو میں نے تم کو اس

خوفناک کام کے خطروں سے متنبہ کر دیا۔ جب دیکھو کہ تم نے اُسے انجام تک پہونچانے کی ٹھان لی ہے تو میں نے تم سے اس خطرے میں شریک ہونے کی اجازت طلب کی۔

سچ پوچھو تو میں اب اس پر مُصر ہوں ۔ ۔ ۔ میرا خیال ہے کہ وہ شخص جو بھی ایسی اچھی عورت اور اس کی محبت پر قابو پا لیتا ہے، جس کے ساتھ کسی قسم کی رکیک حرکت زیبا نہیں، تو وہ ایک مقدس فرض کی ذمہ داری اپنے سر لیتا ہے، اگر وہ عورت شوہر دار کسی وجہ سے خوش نہیں ہے تو یہ فرض اور ذمہ داری اور زیادہ قابل احترام ہو جاتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ایسے اتحاد کو رشتہ نکاح کی طرح مقدس اور استوار رکھنا لازمی ہے کیوں کہ اس دلیر عورت نے اپنی کل کائنات خطرے میں ڈال کر اپنی عزت، اپنی آبرو اپنی زندگی اور اپنی روح اپنے عاشق کو سونپ دی ہے۔ وہ اپنی زندگی کی مصیبتوں سے بھی بے خبر نہیں ہے تاہم اپنے شوہر کو سلگرانے میں اس سے نرائے موت دے سکتا ہے تنگ آ کر بنا بر لات مارنے میں جو اس سے نفرت کر سکتی ہے اس نے غیر معمولی جرأت کا نمونہ دکھایا ہے۔ تقاضائے شرافت ہے کہ اس کا عاشق ایسی عورت کو دنیا کی تمام چیزوں سے گراں قیمت سمجھے ::

اب مجھے کچھ اور کہنا نہیں ہے۔ میں نے بہ حیثیت ایک سچے دوست اور ہمنوا کے تم کو تمام خطروں سے متنبہ کر دیا ہے۔ اب میں ایک جاں نثار عاشق کی شان سے تمہارے حکم کا منتظر ہوں۔ کہو کیا کہتی ہو۔

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔

آرٹینا کے دل کی کلی شگفتہ ہوگئی۔ اس نے اپنے عاشق کا موتھ اپنے شیریں لبوں سے یہ کہتے ہوئے بند کر دیا۔

"میری جان، یہ باتیں غلط ہیں۔ سرتاپا غلط۔ میرے شوہر کو کسی قسم کا شک نہیں ہے۔۔۔۔ لیکن میں یہ دیکھنا۔۔۔ یہ جاننا چاہتی تھی کہ تم کہتے کیا ہو۔۔۔ میں تم سے نوروز کا تحفہ وصول کرنا چاہتی تھی۔۔۔۔ نہیں موتی کا وہ ہار نہیں جو تم نے مجھے ابھی بھیجا ہے۔۔۔۔ بلکہ تمہارا دل۔۔۔ اور وہ تم نے مجھے دے دیا۔ شکریہ۔۔۔ مزید شکریہ۔۔۔۔ اللہ آج کی رات میں کیسی خوش ہوں۔"

# کاؤنٹش زیجینیا

ایڈن ہفنینسر کے منیجر کو میارڈن کو ذہنی خاص امید تھی کہ اس کی نئی اپج ضرور پروان چڑھے گی۔ اس نے اپنا کل اثاثہ اس بازی پر لگا دیا اس بات کا بھی خیال نہ کیا کہ کچھ دنوں سے اس کی تقدیر برگشتہ تھی اور اس میں کسی مزید مالی دھچکا سنبھالنے کی سکت نہ تھی۔ سرخ اور سبز اشتہاروں نے پیرس میں اک آگ سی لگا دی، دو لحیم شحیم، کس بل والے پہلوانوں کی تصویریں ان اشتہاروں میں چار چاند لگا رہی تھیں، ٹھاٹ یہ تھی کہ دونوں جوان میکسیکو کے لباس میں مزین ہاتھوں میں طمنچے لئے کھڑے تھے! یہ دونوں "خونی فیوریس" کے نام سے موسوم تھے۔

یہ ایک نئی ایجاد تھی، جبارت میں لذت لازمی ہے پھر شائقین بھی اپنی پرانی جو ہر روز لپیٹے سے اکتا گئے تھے۔ اُن کا جمود سرگرمی سے بدل گیا۔ نئے تماشے کا خیر مقدم خاطر خواہ ہوا۔ اور اس کی شہرت سرعت سے پھیل گئی۔ یہ کھیل کھیل نہیں تھا بلکہ اک خوفناک اور خون منجمد کرنے والے قسم کا مظاہرہ تھا۔ مشہور تو یہ تھا کہ دونوں

بھائی شیر ببر کی طرح بہادر تھے، عورتوں کی فطرت شجاعت پرست ہوتی ہے، انسانی رعنائیوں پر جادو چل گیا، بہنیوں کے ٹکٹ دنوں میں بک گئے۔

"منیجر پھولوں نہیں سماتا تھا، اس کی باچھیں کھل گئیں"

..........................

کونٹس (نواب بیگم) ریحنیا، مرصع خواب گاہ میں اپنے صوفہ پر دراز تھی، نھنّی مٹا نے کیلے رنگ کا پنکھیا ہلا رہی تھی اور جماہی لیتی جاتی تھی، کیوں نہ ہو آخر چار یا پانچ بجکر کی دونوں سوئیاں جھکی تو ہو چکی تھی، سماں بھی مناسب تھا، دونوں وقت مل رہے تھے، پھولوں کی خوشبو اور شاہراہ کے مسافروں کے دھیمی چالوں کی مسلسل آواز اسے نیند کی آغوش میں کھینچ رہی تھی، لیمپ ابھی روشن نہیں ہوئے تھے،

سونے کا وقت نہ تھا، آنکھیں مل کر جاگنے کی کوشش کی اور اپنے اک مہمان سے بولی

کیا حقیقت میں کمونٹی فیورس میں کوئی بات ہے تمہیں اس کی کچھ خبر ہے؟

یا محض دور کا ڈھول ہے،

تام شیفیلڈ نے کہا، نہیں یہ بات نہیں، ان کے سب کھیل اچھے ہیں خصوصاً جنبیوں کی لڑائی کا سین تو غضب کا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں کوئی کھیل اتنا حقیقت سے قریب نہیں دیکھا۔

نواب بیگم سنتی جاتی تھی اور ساتھ ساتھ گلاب کی پتی چباتی جاتی تھی

مادام رصَوِل، بیگم کی جوان اور شوقین مزاج بہن نے اک عجب انداز سے کہا، میں تو ان تماشوں کو دیکھنے کے لئے دیوانی ہوں،،

میری پیاری بہن، ریجبنیا نے متانت سے کہا۔ کہیں ایسا غضب بھی نہ کرنا میں نے سنا ہے کہ معزز عورتوں کے لئے وہ جگہ مناسب نہیں ہے۔ یوں اگر جانا ہی چاہو تو میں کہوں گی کہ سر سے پاؤں تک سیاہ لباس لپیٹ کر جاؤ۔ ہاں گہرا نقاب بھی ڈال لینا۔ یہ یاد رہے کہ تمہارے حق میں بری افواہیں اور بھی زیادہ بری ہوں گی چوں کہ تم نے ایوان کلیسا میں تعلیم پائی ہے، وہاں کی تعلیم یافتہ تو شک وشبہات سے بے نیاز ہوتی ہیں، کیوں؟

فطرت کی ستم ظریفی کو کیا کہئے۔ دو دن کے بعد خود کاونٹس ریجینیا سیاہ کپڑے پہنے موہنہ پر گہرا نقاب ڈالے تھیٹر کے پائین حصہ کے بکس، میں تو تی ڈیڈروں کا تماشا دیکھنے کے لئے موجود تھیں۔

جانے کو تو گئیں مگر پہچان لئے جانے کے خوف سے رنگت زرد، جسم مرتعش اور دل دھکڑ پکڑ کر رہا تھا، اڑتی ہوئی گرد پر ناک بھوں بھی چڑھا رہی تھیں۔ گویا یہ سارا کھیل ان کی شان کے خلاف تھا۔ خوب صورت پہلوان کو وہ مشتاق نگاہوں سے گھور رہی تھیں جن کی خیر مقدم کا شور تحسین کانوں کے پردے اڑا رہا تھا، دل تو یہ کہہ رہا تھا کہ آہ یہ دو تون سجیلے جوان، اُن النسانیت نواز بدتمیز لونڈوں سے کس قدر الگ تھلگ ہیں جو گول کمرے میں بیٹھ کر اس سے محبت جتایا

کرتے رہتیں۔
دیکھیا تھیٹر سے خوش خوش واپس آئی، دل یہ کہہ رہا تھا،
"ایسا کچھ دیکھا کہ آنکھوں کو تمنا رہ گئی"
قسمت نے اس کا بھی سامان مہیا کر دیا۔ دوسرے ہی دن کاؤنٹ کسی
ضرورت سے باہر گیا اور بیگم صاحبہ تھیٹر میں پہونچ گئیں۔
تیر کمان سے نکل گیا، بات ضبط سے باہر ہو گئی۔ دل ہاتھ سے جاتا رہا، طبیعت
قابو میں نہ رہی، شوق محبت نے یہ چند سطریں ایک پرزے پر لکھوالیں۔
"تماشہ ختم ہونے کے بعد اسٹیج کے دروازہ پہ ایک گاڑی تمہارا انتظار کرے گی"
"تمہاری مشتاق، اک لامعلوم عورت"
دل کی لگی بڑی ہوتی ہے بیگم کو انتظار کی ایسی شدید تکلیف تمام زندگی میں
نہ ہوئی تھی، کہاں نواب بیگم اور کہاں وہ مرطوب اور پوسیدہ گاڑی، شرافت کا
تقاضا یہ تھا کہ کوچبان کو گاڑی گھر کی طرف پھیرنے کو کہے، لیکن بات لبوں پہ
آ کر رہ جاتی تھی۔ ادھر جوش اشتیاق کا یہ عالم تھا کہ اپنے حسین گالوں کو گاڑی
کے شیشوں پر رکھ کر تھیٹر کے دروازے کو تک رہی تھی،
ستم تو یہ ہوا کہ اس اداکار نے کاغذ کے اس پرزے کو مذاق سمجھا، پھر
بھی کسی مقناطیسی کشش نے اسے کھینچ کر وہاں پہونچا دیا، صورت دیکھتے
ہی بیگم کے لبوں پہ مہر خاموشی ثبت ہو گئی، گویا شہوانی جذبات نے اس کے گلے

میں پھندا ڈال دیا،

بڑا غضب تو یہ ہوا کہ بڑے مونٹی فیور نے اسے ایک بازاری عورت سمجھا
ریجینا کے دل میں اک تہلکہ پڑ گیا، سارے جسم میں سنسنی دوڑ گئی ۔۔۔۔۔۔۔ وہ
اپنے مطلوب سے قریب تر ہو گئی اور اپنا نقاب ہٹا کر دکھا دیا کہ وہ کتنی حسین تھی۔
محبت کے تماشوں میں گفتگو کو کم دخل ہے دونوں خاموشی سے ایک دوسرے
کا جائزہ لینے لگے جس طرح پہلوان کشتی شروع ہونے کے قبل اپنے مقابل کو تکتے
ہیں جذبات کی یورش نے بیگم کے جسم میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ وہ محبت کی آغوش
میں جلد سے جلد پہونچنے کے لئے بیچین تھی۔ ثمر ممنوعہ کی شیرینی کی خیالی لذت
اس کے اس بھرے ہونٹوں سے ٹپک رہی تھی۔

ہوٹل میں چند گھنٹوں تک محبت کے کھیل کھیلے گئے۔ جب دونوں
سرمستان الفت۔ وہاں سے باہر نکلے تو مونٹی نیور کے پاؤں چلنے میں لڑکھڑا رہے
تھے۔ اور وہ کسی شرابی کی طرح دستہ ٹٹول ٹٹول کر چل رہا تھا۔ لیکن بیگم کے چہرے
پر تبسم ناچ رہا تھا، وہ بدستور مطمئن اور اپنے کو لئے دیے تھی اس کے انداز
ایسے یہ مترشح تھا کہ اتوار کی صبح کی عبادت کے بعد، وہ گرجا کے سیڑھیوں سے
نیچے اتر رہی تھی۔

اب ریجنیا کا حیا و کھل گیا۔ دوسری مرتبہ اس نے چھوٹے مونٹی فیور پر
ڈورا ڈالا، یہ اپنے بڑے بھائی سے کچھ زیادہ رومانی اور جذباتی تھا، اور شعر

سے زیادہ لذت بخش، دونوں کی خوب مزے سے گزری۔ سادہ لوحی دیکھئے، غریب کو یقین ہو گیا کہ اس کی محبوبہ اُس سے واقعی محبت کرتی ہے۔ جذبۂ انسانیت نے جوش مارا اور اس سے شادی کی درخواست کر دی۔۔۔۔۔ عورتوں کے چلتر غضب کے ہوتے ہیں۔ ساری کارروائیاں ایسی چھپ چھپا کر ہوئیں کہ دونوں بھائیوں میں سے کسی کو بھی ایک دوسرے کی مواشقتا نہ زندگی کی نہ خبر ہوئی اور نہ انھیں کسی قسم کا شک ہوا۔ اس گرہ کو مضبوط کرنے کے لئے ریجینا نے اس راز کو راز رکھنے کی قسم بھی اُن سے لے لی، دونوں بھائی اس کے شہوانی حسن کے جال میں کچھ ایسا پھنس گئے تھے کہ آنکھیں بند کر کے اس کی اطاعت کیا کرتے۔ شامت اعمال کہئے یا بڑھتی ہوئی محبت کا جوش، اظہار الفت کے کسی نازک موقع پر، ایک دن چھوٹے نے ریجینا پر یہ بجلی گرائی۔

مجھ سے آزردہ نہ ہو تو میں کچھ کہوں، لیکن یہ التجا کرتا ہوں کہ برا نہ ماننا۔۔۔۔ میں نے۔۔۔۔ میں نے یہ پتہ لگایا کہ تم کہاں رہتی ہو۔ اور کون ہو۔ تمہارا اصلی نام بھی مجھے معلوم ہو گیا۔ اہا، تم تو سچ مچ کی کاونٹس ہو،

کاونٹس ناگن کی طرح تڑپ کر اس سے جدا ہو گئی۔

بیلے وقوف آدمی! تجھے کچھ یہ بھی خبر ہے کہ میں نے خود یہ ڈھکوسلا رچا

رکھا ہے تاکہ میری اصلی شخصیت پردہ راز میں رہے۔

کہنے کو تو یہ کہہ گئی، لیکن دل میں خوف بیٹھ گیا۔ آخر کیوں نہ ہو، پینگ بھی تو بہت زیادہ بڑھ گئی تھی، اب خیریت اسی میں تھی کہ معاملہ طول بھی نہ پکڑے اور ان سے نجات مل جائے، لیکن یہ کام آسان نہ تھا۔ ادھر اس کے حسن نواز شیدائیوں کی محبت میں رشک کا مادہ بڑھتا جاتا تھا۔ ادھر بیگم کے حیلے حوالوں کی شعاع ماند پڑتی جاتی تھی۔

ایک شب کو بڑے سے اس نے یوں کہا۔

میری بات سنو، میں تم سے یہ راز چھپانا نہیں چاہتی۔ اس لئے صاف صاف کہتی ہوں کہ مجھے تمہارے بھائی سے محبت ہے، میں اب اس کی ہو گئی ہوں، اس لئے اب آئندہ سے تمہاری نہیں ہو سکتی۔

میرے بھائی سے! وہ لمبی لمبی درد انگیز سانس لیکر بولا۔

"ہاں"

پھر کیا تھا، وہ جذبات غم سے بے قابو ہو کر غصہ بھری آواز میں چیخ اٹھا، یہی نہیں، وہ غیض میں گھونسا تانے ہوئے اس پر لپکا،.....

ریجینیا نے سمجھ لیا کہ اس کی زندگی کا آخری لمحہ قریب تھا،

لیکن بیگم کا حسن آڑے آیا، اس کا دل نہ چاہا کہ وہ اس پری پیکر پر اپنا ہاتھ اٹھائے..... جس کی محبت اس کی رگ رگ میں پیوست

تھی اور جس پر وہ اپنی جان چھڑکتا تھا۔
غصہ کچھ ٹھنڈا ہوا تو اس نے بجھی ہوئی آواز میں کہا،
"اچھا، بہت اچھا، جیسی تمہاری مرضی"
ایڈن تھیٹر میں موتی فیوروں کے تماشوں کی آج آخری رات تھی،
لوگوں کی وہ گھما گھمی تھی کہ تل رکھنے کی جگہ نہ تھی، فرش سے گیلری تک
سر ہی سر دکھائی دیتے تھے۔ ڈاکٹن ناچ کا ایک دل کش گت بجا رہے
تھے۔
دونوں موتی فیور، کوئی بارہ گز کے فصل پر آمنے سامنے کھڑے
ہو گئے، اک تیز سرخ روشنی، چھوٹے کے جسم پر جو ایک بڑی سی سفید سپر
سے چپک کر کھڑا تھا۔ ڈال دی گئی۔ اب بڑے نے آہستہ آہستہ
چھوٹے سے زندہ مگر ساکت ہیولی کے محاذ میں طپنچہ کے مو غلم سے مصوری
کرنی شروع کر دی، وہ اک غیر معمولی صنعت اور شاہکاری سے نشانہ
لگا رہا تھا۔ کٹ کی سپر پر، گولیوں کے سیاہ نشان انسانی ڈھانچہ کھڑا
کر رہے تھے۔
تعریفوں کی بھرمار سے کان پڑے آواز سنائی نہیں دیتی تھی،
کھچا کھچ بھرا ہوا، تماشہ گھر، گویا دریا کے اصوات میں غرق تھا۔
ناگہاں خوف کی ایک تیز چیخ، ہال کے اس سرے سے اس سرے تک گونج گئی۔

عورتوں کو غش آ گیا، باجے بند ہو گئے۔ مرد اور عورتیں چیختی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں، نوین کوٹی پر چھوٹا بھائی زمین پر آ نا رہا۔ اس کی پیشانی سے خون اُبل رہا تھا۔ بڑا بھائی بے حس و حرکت کھڑا تھا

..........

کاؤنٹس ریجینا اپنے صوفہ میں دھنس گئی اور اپنا موہنہ پنکھیا سے چھپا لیا۔

دوسرے دن، سہ پہر کے وقت چار اور پانچ بجے کے درمیان نواب بیگم ریجینا، اپنے ننھے منے حسین جاپانی گول کمرے میں، مدعو مہمانوں کا خیر مقدم کر رہی تھی، اور اک لاپروائی کے انداز میں دھیمے سروں میں، یوں گہر فشان تھی۔

سنتی ہوں کہ گزشتہ شب، کوان دو بھائیوں میں سے کسی ایک پر،

کوئی ناگہانی حادثہ گزرا، بھلا سا نام تھا......

مونٹا...... مونٹا..... مادام کہو تو سہی ان کا کیا نام ہے۔

"مونٹی فیور، مادام

آہ، ہاں..... کیا یہ خبر سچی ہے؟

"بالکل سچی"

افسوس...... کس قدر دردناک واقعہ ہے۔

(تمام شد)



(تمام شدہ)

کتبہٗ منشی ظہیر الحسن
پٹنہ سیٹی!
.......

Shehre Khamoshan
Aur Deegar Afsane
By Mopasan
Translation by
Sayeed Nasir Haider

14